ختم نبوت زندہ باد

خلافتِ راشدہ زندہ حق چار یار رض

یا اللہ مدد

در تحقیق و اِثبات

شہادتِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ

و

کردارِ یزید

تالیف فارسی

حُجۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قُدِّسَ سرّہٗ

بانیٔ دار العلوم دیوبند، المتوفی ۱۲۹۷ھ

اُردو ترجمہ

پروفیسر مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ

دیباچہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم

خلیفۂ ارشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

تحریک خدام اہل سنت والجماعت

کرم آباد ○ وحدت روڈ ○ لاہور

حسینیت زندہ باد

خلافتِ راشدہ حق چار یارؓ

یا اللہ مدد

در تحقیق و اثبات

شہادتِ امامِ حسین رضی اللہ عنہ

و

کردارِ یزید

تالیف فارسی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ

بانیٔ دار العلوم دیوبند، المتوفی ۱۲۹۷ھ

اردو ترجمہ

پروفیسر مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ

دیباچہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ ارشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

تحریکِ خدّامِ اہلِ سنّت و الجماعت

کرم آباد ○ وحدت روڈ ○ لاہور

آئینہ مضامین شہادت امام حسینؓ و کردار یزید

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	کلمات بابرکات	۳
۲	التمہید فی بیان فسق یزید	۴
۳	دیباچۃ الکتاب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب	۱۶
۴	مسلک اعتدال	۱۷
۵	حضرت علیؓ کی توہین	۱۸
۶	امام حسینؓ کی توہین	۲۰
۷	یزید اور عباسی	۲۱
۸	یزید فاروق اعظمؓ کی پیروی میں	۲۳
۹	کردار یزید کا دوسرا پہلو	۲۳
۱۰	یزید کا چیتے کو سدھانا	۲۴
۱۱	یزید کے حرم میں مغنیہ	۲۵
۱۲	مقام عبرت	۲۶
۱۳	سندیلوی بحق عباسی	۲۷
۱۴	کتاب خلافت معاویہ و یزید کی تائید از سندیلوی	۲۸
۱۵	اکابر اسلام اور سندیلوی	۳۰
۱۶	حضرت مولانا نانوتویؒ	۳۲
۱۷	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۴
۱۸	لقب سید الشہداء	۳۵
۱۹	التمہید فی بیان فسق یزید	۳۵
۲۰	حضرت گنگوہیؒ و حضرت نانوتویؒ	۳۶
۲۱	حضرت نانوتویؒ کا خواب	۳۷
۲۲	دیوبندی حضرات کی خدمت میں	۳۸
۲۳	خلاصہ مضمون مکتوب حضرت نانوتویؒ	۴۰
۲۴	شہادت کی پہلی وجہ	۴۲
۲۵	شہادت کی دوسری وجہ	۴۳
۲۶	شہادت امام حسینؓ کا اثبات از حضرت نانوتویؒ	۴۴
۲۷	مقدمہ اوّل	۴۴
۲۸	مقدمہ دوم	۴۷
۲۹	مقدمہ سوم در حقیقت اجماع	۴۷
۳۰	مقدمہ چہارم	۴۸
۳۱	مقدمہ پنجم	۴۸
۳۲	مقدمہ ششم	۵۴
۳۳	خلافت کی لیاقت اور اہلیت کے بارے میں	۵۷
۳۴	دلیل اوّل	۵۸
۳۵	دلیل دوم	۵۸
۳۶	تشبیہ	۶۳
۳۷	یزید کی ولیعہدی پر بحث	۷۶
۳۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یزید اور اس کے رفقا کے بارے میں۔	۷۶
۳۹	امیر معاویہؓ کا خلافت کے بارہ میں نظریہ	۷۷
۴۰	حضرت امیر معاویہؓ کے بعد یزید کی حالت	۷۸
۴۱	کربلا کا حادثہ اور غزوہ احد و حنین	۸۰
۴۲	نیت پر دار و مدار	۸۲
۴۳	شہادت امام حسینؓ کی دوسری وجہ	۸۳
۴۴	یزید کی بیعت پر اجماع اور اس کا جواب	۸۴
۴۵	امام نووی کا اجماع بیعت پر نظریہ	۸۵
۴۶	قاضی عیاضؒ کا قول	۸۶
۴۷	جماہیر سنت فقہاء محدثین اور متکلمین کا قول	۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ بابرکات

قائدِ اہل سنت الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم

بانی و مرکزی امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

پاکستان میں اہل سنت والجماعت کی غفلت اور ناواقفیت کی وجہ سے شیعیت وغیرہ دوسرے فتنوں کے ساتھ خارجیت بعنوان یزیدیت کا فتنہ بھی پھیل رہا ہے جس میں دیوبندی حلقہ بھی مبتلا ہو رہا ہے۔ تحریک خدام اہل سنت کے ایک نوجوان عالم قاری شیر محمد صاحب علوی سلمہ، (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور) نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا یہ محققانہ مکتوب کتابی صورت میں شائع کر کے ایک اہم دینی خدمت سرانجام دی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے ابتدائیہ کے طور پر اپنا ایک جامع مقالہ بعنوان "التمہید فی بیان فسق یزید" بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم و عمل میں میں ترقی عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم

صدر مفتی جامعہ اشرفیہ، لاہور

احقر نے یہ رسالہ سنا ہے یعنی "التمہید فی بیان فسق یزید" اور ٹھیک سمجھا ہے نقول صحیحہ پیش کی گئی ہیں۔ اس لئے اس میں تردد کی گنجائش نہیں مگر لعنت سے کف لسان محققین کا معمول ہے وہی درست ہے۔ واللہ اعلم جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”التمہید فی بیانِ فسق یزید“

از قلم

شیر محمد علوی

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

وعلیٰ آلہ واصحابہ والذین اوفوا عہدہٗ ۔

اما بعد ۔ برادرانِ اہلسنّت زیرِ نظر رسالہ مبارکہ حجۃ الاسلام استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحؒ متوفی ۱۲۹۷ھ بانی دار العلوم دیوبند و خلیفہ اعظم قطب العالم اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدّس سرّہٗ کا ہے حضرت نانوتوی قدّس سرّہٗ کے بارے میں کچھ کہنا یا لکھنا درحقیقت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے ۔ حضرت نانوتویؒ قدّس سرّہٗ کا نام ہی رسالہ کے مستند ہونے کی کافی دلیل ہے ۔ یہ رسالہ دراصل حضرتؒ کا ایک طویل مکتوب گرامی ہے جو آپ نے اپنے مایہ ناز شاگردِ رشید حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ محشّی سنن ابی داؤد کے نام تحریر فرمایا تھا ۔ اور حضرت نانوتویؒ کی تصحیح کے ساتھ سب سے پہلے منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی مرحوم نے مطبع مجتبائی سے ۱۲۹۲ھ میں شائع کیا جو کہ قاسم العلوم کے نام سے چھپا تھا جس میں حضرتؒ کے اور بھی کئی مکتوبات تھے ۔ بعد ازاں پروفیسر مولانا انوار الحسن صاحب شیر کوٹی مرحوم نے ان کا اردو ترجمہ کر کے ناشران قرآن لاہور سے طبع کرایا ۔ اسی ترجمہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خدّام اہل سنّت پاکستان کو توفیق عطا فرمائی کہ اس مکتوب شریف کو دوبارہ زیورِ طبع سے آراستہ کر کے سُنّی مسلمانوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے اس مکتوب گرامی میں شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ پر مجتہدانہ بحث فرمائی ہے اور یہ بھی ثابت فرمایا ہے کہ یزید[1] کے کردار میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن بالکل پاک ہے اور اُن پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ قارئین پر رسالہ کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہو جائے گی۔ ہماری وضاحت کی ضرورت نہیں ہے

جمہور امت نے یزید کو فاسق قرار دیا ہے البتہ ہم باحوالہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یزید کو جمہور امت اور اساطین اسلام نے فاسق قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو تکفیر[2] بھی فرمائی۔ گو محتاط و مختار مسلک

---

[1] حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے بھی جمہورِ امت کی طرح یزید کو فاسق و فاجر تحریر فرمایا ہے چنانچہ زیرِ نظر مکتوبِ گرامی میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے اور اسی طرح آپ نے ایک اور مکتوب میں جو کہ فیوضِ قاسمیہ میں طبع ہوا ہے اس میں فرماتے ہیں سو یزید بالاتفاق وقت اعلان فسق و فجور مستحق اس کا نہ تھا بلکہ غاصب تھا فیوض قاسمیہ صفحہ ۱۰ مطبوعہ دیوبند۔ نیز فرماتے ہیں۔ یزید پلید اور عبد الملک وغیرہ کو سُنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موعود) نہیں سمجھتا۔ اجوبہ اربعین صفحہ ۸۵ مطبوعہ جدید گوجرانوالہ۔ اسکے بعد لکھتے ہیں۔ سو خلیفہ راشد تو چار یار رضی اللہ عنہم ہی تھے اور یزید ولید عبد الملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے اجوبہ اربعین صفحہ ۱۸۷ اس کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں۔ خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو وہ چار یار رضی اللہ عنہم، اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے۔ دوسرا خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سُنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں۔ یزید اور عبد الملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں۔ ہاں۔ عمر بن عبد العزیزؒ البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں فقط صفحہ ۱۸۸۔ نیز حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اپنی معرکۃ الآرا کتاب ہدیۃ الشیعہ کے صفحہ ۲۸۱ مطبوعہ جدید لاہور تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے بعد شہادت حضرت عثمانؓ کے خلافتِ مغصوبہ (بزعم شیعہ) قبول کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید پلید سے خلافتِ مغصوبہ کے طالب ہوئے یہاں تک کہ نوبت شہادت کی پہنچی۔

[2] جن حضرات نے یزید پر کفر کا فتوٰی دیا ہے اُن میں بیہقی وقت حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ ہجری) سرِ فہرست ہیں چنانچہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیف المسلول اردو مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان از صفحہ ۴۸۷ تا صفحہ ۴۹۱، تفسیر مظہری اردو مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۶۵، ۲۷۵ ج ۹۔ تحت آیت استخلاف عربی صفحہ ۵۵۴ ج ۶۔ نیز فرماتے ہیں یزید نے دینِ محمدی کا انکار کر دیا۔ تفسیر مظہری اردو صفحہ ۲۰۷ ج ۸۔ تحت آیت الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفراً۔ اور اسی طرح علامہ آلوسی حنفیؒ فرماتے ہیں وانا اقول الذی یغلب علی ظنی ان الخبیث لم یکن مصدقا برسالۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ روح المعانی صفحہ ۷۲ ج ۲۶ (باقی حاشیہ صفحہ نمبر ۶ پر)

یہ ہے کہ تکفیر اور لعن سے کف لسان کیا جائے۔ مگر اسکو خلیفہ عادل بھی نہ کہا جائے جیسا کہ بعض خود ساختہ محقق کہتے ہیں کہ یزید خلیفہ عادل[1] تھا۔ اور تمام وہ بزرگ جو یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں انہوں نے تحقیق نہیں[2] کی یہ ایک ایسا سنگین الزام ہے جو آج تک علماء دیوبند پر کسی دشمن نے بھی نہیں لگایا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ جن بزرگوں نے یزید کو فاسق قرار دیا ہے وہ سارے غیر محقق اور غیر محتاط تھے بلکہ بقول استادنا المکرم حضرت مولٰنا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی، وہ لوگ جو یزید کو صالح قرار دیتے ہیں اگر تحقیق کرتے تو وہی کچھ کہتے جو ان بزرگوں نے کہا یزید فاسق تھا۔ اب حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) واما الحسین فانہ لما ظہر فسق یزید عند الکافۃ من اہل عصرہ۔ لیکن حسینؓ تو جب یزید

(سابقہ بقایا) اسی طرح امام بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یزید پر واقعہ حرہ کی وجہ سے نکیر فرمائی ہے۔ سوال فی یزید بن معاویہؓ للامام ابن تیمیہؒ صفحہ ۱۷۔ اور امام ابن جوزی نے بھی یزید کو کافر قرار دیا ہے بلکہ اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے "الرد علی المتعصب العنید المانع من یزید" السیف المسلول صفحہ ۴۸۸

[1] مولٰنا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ یزید ایک صالح مسلمان تھے اور خلیفہ عادل بھی تھے۔ جواب شافی صفحہ ۱۷۔ مؤلفہ مولانا سندیلوی

[2] جواب شافی صفحہ ۱۶۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ ومن اٰمن باللہ والیوم الاٰخر لا یختار ان یکون مع یزید ولا مع امثالہ من الملوک الذین لیسوا بعادلین۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یزید یا اس جیسے غیر عادل بادشاہوں کے ساتھ بھی ہو سکے سوال فی یزید بن معاویہ صفحہ ۲۸۔ ابن جوزیؒ نے قاضی ابویعلیٰ سے روایت کی کہ انھوں نے اپنی کتاب معتمد الاصول میں اپنی اسناد سے صالح بن احمد بن حنبلؒ سے روایت کی کہ صالح نے کہا۔ اباجی ایک قوم ہمیں یزید کی دوستی کا الزام دیتی ہے امام احمدؒ نے فرمایا۔ اے بیٹے جو خدا پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کے ساتھ دوستی نہیں کرسکتا اور جن پر خدا نے اپنی کتاب میں لعنت فرمائی اس پر لعنت کیوں نہ جائے۔ الخ السیف المسلول صفحہ ۴۸۸۔ صواعق محرقہ صفحہ ۲۲۲۔ اور اس کے بعد امام احمدؒ نے سورہ محمد کی آیات تلاوت فرمائیں امام ابن تیمیہؒ اور امام احمدؒ کی عبارتوں پر مولانا سندیلوی غور فرمائیں۔ کہ یزید کی محبت سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ۱۲۔ علوی عفی عنہ

کا فسق و فجور اس کے دَور کے سب لوگوں کے نزدیک نمایاں ہوگیا۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۱۶ تحت الفصل التّاسع والعشرون فی معنی البیعۃ۔ لہ

(۲) وبعد اتفاقہم علی فسقہٖ اختلفوا فی جواز لعنہٖ بخصوص اسمہٖ۔ اور یزید کے فسق پر متفق ہونے کے بعد اختلاف ہوا اس پر نام لیکر لعنت کرتے ہیں۔ الصواعق المحرقہ صفحہ ۲۲۲ مطبوعہ ملتان صاحب اتحاف السادہ شرح احیاء العلوم صفحہ ۲۵۵ ج ۷ پہ لکھتے ہیں :-

قال ابن حجر المکی وہو الالیق بقواعد المذہب فلا یجوز لعنہٗ وان کان فاسقاً خبیثاً۔ ترجمہ:- اگرچہ یزید فاسق و خبیث تھا مگر اس پہ لعنت کرنی جائز نہیں۔

(۳) شیخ الاسلام علامہ امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں۔ ومن جعلہٗ من الخلفاء الراشدین المہدیین فہو ایضاً ضالٌ مبتدعٌ کاذبٌ۔ اور جو شخص یزید کو خلیفہ راشد کہے وہ گمراہ بدعتی اور جھوٹا ہے۔ سوال فی یزید بن معاویہ صفحہ ۱۵ مطبوعہ بیروت ۱۳۹۶ھ

(۴) فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالحق حقانی صاحب تفسیر حقانی (م ۱۳۳۶ھ) تحریر فرماتے ہیں"۔ ان (حضرت معاویہؓ) کے بعد ان کا بیٹا یزید بدبخت ان کی جائے حاکم ہوا اس نالائق دنیادار نے،، مزید تحریر فرماتے ہیں۔" اس کم بخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے" ملاحظہ ہو عقائد الاسلام لمولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ مطبوعہ کراچی۔ اس کتاب پر مندرجہ ذیل اکابر کی تقریظات ہیں، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند! امام محدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ۔

لہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں بہر حال مخالفین یزید تو اسے فاسق جانتے ہی تھے مبایعین (بیعت کرنے والے) یزید بھی اسے فاسق ہی سمجھتے تھے اس لئے اس کا فسق متفق علیہ ہے جیسے ابن خلدون نے عندالکافہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ شہید کربلا اور یزید صفحہ ۸۹ طبع جدید لاہور

(۵) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہٗ (م ۱۳۲۳ھ) فرماتے ہیں۔ بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کف لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے کیونکہ قتل حسینؓ کو حلال جاننا کفر ہے۔ مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں۔ لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بے شک تھا الخ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ کراچی نیز فرماتے ہیں۔ مگر اجماع جیسا پانچ پہلوں پر ہوا تھا یزید پر کون سا اجماع اہل حق ہوا تھا وہ تو متغلب بزور ہو گیا تھا اور اجماع عوام کچھ معتبر نہیں۔ ہدایۃ الشیعہ صفحہ ۹۵۔ اس کے بعد فرماتے ہیں . . . . اب حقیقت خلفائے خمسہ کی اور تغلب یزید پلید کا مثل آفتاب روشن ہو گیا اگر کور باطن نہ سمجھے تو کسی کا کیا قصور۔ ہدایۃ الشیعہ صفحہ ۹۵ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

(۶) مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ (م ۱۳۴۷ھ) یزید کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ در ظلم و جور تعدی و فسق او کلام نیست الخ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مطبوعہ دیوبند مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ۔ یزید کے مظالم وغیرہ اور فسق میں کوئی اختلاف نہیں ہے صفحہ ۸۰، جلد نمبر ۵، ۶۔

(۷) امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں۔ کربلا کے میدان میں حسینؓ ابن علی رضی اللہ عنہ کی جنگ یزید سے اور حرہ[1] و مدینہ میں اہل مدینہ کی جنگ

---

[1] یہ جنگ یزید کے زمانہ میں ذوالحجہ ۶۳ھ اہل مدینہ کے ساتھ لڑی گئی اور یزید کی طرف سے مسلم بن عقبہ اس پر مامور تھا اس جنگ میں اہل مدینہ پر بڑے بڑے مظالم ہوئے۔ اور یہ ایام یزیدی دور کے سیاہ ترین ایام ہیں چنانچہ مؤرخ مدینہ علامہ سمہودیؒ مرحوم و مغفور (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ وکانت وقعۃ الحرۃ، وقتل الحسین، ورمی الکعبۃ بالمنجنیق من اشنع شیٔ جری فی ایام یزید۔ وفاء الوفاء ص ۱۲۷ ج ۱ مقتولین کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے البتہ جو مہاجرین و انصار صحابہؓ اور جلیل القدر تابعین اس میں شہید ہوئے وہ ایک ہزار سات سو اور عورتوں، بچوں کے علاوہ مخلوط لوگ جو شہید ہوئے وہ دس ہزار افراد ہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

عقبہ[1] بن مسلم کی فوج سے (جو یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) اور مکہ میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی جنگ حجاج سے نیز عبد الرحمٰن بن اشعث کے واقعہ میں قراء قرآن کی جنگ حجاج سے، اسی قبیل سے ہیں (یعنی ظالموں کے خلاف ان کے ظلم و

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر   ) اور سات سو حفاظ قرآن اور ستانوے قریشی شہید ہوئے۔ وفاء الوفا ص ۱۲۶ ج نمبر ۱ تاریخ الخلفاء للسیوطیؒ ص ۱۸۱۔ اور مسجد نبوی میں تین دن رات تک اذان و نماز نہیں ہو سکی۔ وفاء الوفا ص ۱۳۸ ج نمبر ۱ چنانچہ سیدنا سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے اندر پناہ گزین تھا اور جب بھی نماز کا وقت آتا تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ وفاء الوفا ص ۱۴۳ ج نمبر ۱ نیز مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ان دنوں گھوڑے باندھے گئے اور وہ مسجد شریف میں لید اور پیشاب کرتے رہے۔ وفاء الوفا ص ۱۳۶ ج نمبر ۱۔ اور جب جنگ سے فراغت کے بعد یزیدی عملہ دربار یزید میں آیا تو یزید نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کو اپنا مقرب بھی بنا لیا۔ فلما قدم مروان علی یزید شکر لہٗ ذالک وادناہٗ۔ وفاء الوفا ص ۱۴۳ ج نمبر ۱ نیز جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر کا سارا سامان لوٹ لیا گیا اور ان کی ریش مبارک اکھاڑی گئی۔ العیاذ باللہ۔ روی الطبرانی عن ابی ہارون العبدی قال۔ رأیت ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ ممعط اللحیہ۔ فقلت تعبث بلحیتک۔ قال۔ لا۔ ھذا مالقیت من ظلمۃ اہل الشام۔ دخلوا زمن الحرۃ فاخذوا ما کان فی البیت من متاع او خرثی ثم دخلت طائفۃ اخری فلم یجدوا فی البیت شیئا (۴) فاسفوا ان یخرجوا بغیر شیءٍ۔ فقالوا۔ اضجعوا الشیخ فجعل کل یاخذ من لحیتی خصلۃ۔ وفاء الوفا ص ۱۳۵ ج نمبر ۱ جس یزید کو مولٰنا سندیلوی ندوی خلیفہ عادل ثابت فرماتے ہیں اس کے مظالم کی داستان بڑی طویل ہے ہم نے بطور نمونہ چند ایک مظالم کا ذکر کر دیا ہے۔ باقی کو ان پر قیاس کر کے سمجھ لیا جائے کہ وہ کیسا خلیفہ عادل تھا۔ کیا یہ تمام اکابر بلا تحقیق ہی باتیں لکھ دیا کرتے تھے آج چودہ سو سال بعد صرف یزیدی گروہ کے سرخیل سندیلوی صاحب کو ہی صحیح واقعات کا علم ہوا ہے اور آج تک کسی فرد واحد کو بھی صحیح واقعات کا علم نہیں ہو سکا ؟۔ یا پھر سندیلوی صاحب کے پیش رو المحمود احمد عباسی نے تحقیق کی ہے۔ یزید کو خلیفہ عادل کہنا درحقیقت ان تمام بزرگوں کی تغلیط کرنا ہے جو یزید کو فاسق و فاجر کہہ چکے ہیں اور جن کی کفش برداری کو خود مولانا سندیلوی صاحب بھی باعث سعادت جانتے ہیں ملاحظہ ہو۔ جواب شافی ص ۱۶ مؤلفہ مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی۔ ۱۲

[1] اصل نام مسلم بن عقبہ ہے یہ قلب مکانی سہو کتابت ہے۔ علوی غفرلہ

جور سے بچنے کے لیئے لڑی گئی ہیں الخ) اکفار الملحدین مترجم ص ۶۸ مطبوعہ مجلس علمی کراچی ترجمہ مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی۔

(۸) امام المحققین حضرت مولانا علامہ عبدالحی لکھنوی قدس سرہٗ (م ۱۳۰۴ھ) سے سوال کیا گیا درحق یزید چگونہ اعتقاد باید داشت ؟ یزید کے بارہ میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے۔ تو جواب میں بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ومسلک اسلم آن ست کہ آں شقی را بمغفرت وترحم ہرگز یاد نباید کرد وبہ لعن او کہ درعرف مختص بکفار گشتہ زبان خود را آلودہ نباید کرد الخ۔ کہ یزید کے متعلق اسلم ترین مسلک یہ ہے کہ اس (یزید) بدبخت کو مغفرت اور رحمۃ اللہ کے کلمات سے ہرگز یاد نہ کرے اور نہ ہی لعنت سے اپنی زبان کو آلودہ کرے الخ فتاویٰ عبدالحیؒ ص ۸۰، ۹ ج نمبر ۳ (مطبوعہ یوسفی لکھنو)

(۹) علامہ علی القاری حنفی رحمۃ اللہ نے بھی یزید کو خلفاء جور میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر ص ۱۰۷ مطبوعہ شاہدرہ دہلی ۱۳۲۷ھ

(۱۰) استاذ العلماء رئیس المتکلمین حضرت الاستاذ مولانا محمد ادریس کاندہلوی قدس سرہٗ (م ۱۳۹۴) تحریر فرماتے ہیں

"امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید پلید سے مقابلہ"

امام حسینؓ کا خروج خلافت راشدہ کے دعویٰ کی بناپر نہ تھا اس لیئے کہ خلافت راشدہ کی مدت تیس سال گذر چکی تھی بلکہ مسلمانوں کو ظالموں کی حکومت سے چھڑانا تھا کہ مسلمانوں پر ظالم اور فاسق وفاجر کی حکومت قائم نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ یزید کی حکومت ابھی پوری طرح قائم نہ ہوئی تھی۔ اہل مکہ اہل مدینہ اور اہل کوفہ نے ابھی تک یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی اور حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی بیعت نہ کی۔ اور احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ بادشاہ وقت سے بغاوت اور اس کی اطاعت سے خروج جائز نہیں

اگرچہ وہ بادشاہ ظالم ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بادشاہ کا بلانزاع اور بلامزاحمت کامل تسلط ہو جائے وہ اگرچہ ظالم ہو اس کی اطاعت سے خروج اور بغاوت جائز نہیں اور جس کا ابھی تک تسلط ہی نہ ہوا ہو اور ہنوز اس کی حکومت ہی قائم نہ ہوئی ہو تو اس کا مقابلہ خروج اور بغاوت نہ کہلائے گا۔ دفع تسلط اور رفع تسلط میں بڑا فرق ہے قائم شدہ تسلط کا رفع یعنی اس کا ازالہ خروج اور بغاوت ہے اور کسی ظالم کے تسلط کو قائم نہ ہونے دینا اس کا نام منع تسلط ہے۔ حضرت امام حسینؓ کا خروج یزید پلید کے دفع اور منع تسلط کے لئے تھا نہ کہ رفع تسلط کے لئے۔ ماخوذ از فتاوی عزیزی[1] ص ۲۲۔ ج نمبر ۱۔ خلافت راشدہ طبع اوّل ص ۲۰۸ و ۲۰۹ مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ

(۱۱) امام پاکستان رأس المحققین علامہ دوران استاذنا المکرم حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری قدس سرہٗ، چوکیروی[2] (م ۱۳۸۹ھ)

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ۔ (م ۱۲۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں۔ خروج حضرت امام حسینؓ بنا بر دعوی خلافت راشدہ پیغامبر کہ بر در سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ و آنچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم از بغی و خروج ہر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس در آں وقت است کہ آن پادشاہ ظالم بلانزاع و مزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد و ہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بتسلط یزید پلید راضی نشدہ بودند و مثل حضرت حسین و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعت نکردہ بالجملہ خروج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ برائے دفع تسلط او بود نہ برائے رفع تسلط و آنچہ در حدیث ممنوع است آن خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائز باشد والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیہ۔ فتاوی عزیزی۔ ص ۲۲ ج نمبر ۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

[2] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ قطب زمان حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور سنی و شیعہ نزاعی مسائل میں اللہ تعالیٰ نے خاص مہارت بخشی تھی آپ نے کئی سال تک پندرہ روزہ "الفاروق" رسالہ چوکیرہ سے نکالا جو شیعی اعتراضات کا جواب اور ناموس صحابہؓ کا پاسبان تھا۔ آپ چوکیرہ ضلع سرگودہا میں مدرسہ عربیہ دار الہدیٰ (باقی آئندہ صفحے پر)

یزید اور واقعہ کربلا کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

س۔ واقعہ کربلا میں کس حد تک یزید کا ہاتھ ہے؟ اور وہ اس وقت کربلا سے کتنا دور تھا کیا وہ قابل دشنام ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ کہ وہ فاسق و فاجر تھا؟

جواب ۔ واقعہ کربلا کی تمام تر ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اگرچہ اس واقعہ کے وقت ظاہر میں کربلا سے بہت دور تھا مگر حقیقت میں وہ اسی قدر نزدیک تھا کیونکہ کوئی کام اس کی رائے کے بغیر نہیں ہو رہا تھا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عظیم شخصیت پر ہاتھ ڈالنا کسی فوجی افسر یا کسی صوبہ کے گورنر کا ذاتی فعل نہیں ہو سکتا۔ ہم اس موقعہ پر اہل سنّت کی مشہور و معروف درسی کتاب شرح عقائد نسفیہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو سوال مذکور کے ہر ایک جز کا شافی جواب ہوگی۔ دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ دیوبند۔ ص ۱۱۳۔

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واہانتہ اہل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہٗ وان کان تفاصیلہ احاداً فنحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہٖ واعوانہ۔ (ترجمہ) اور حق بات یہ ہے۔ کہ امام حسینؓ کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور پھر اس پر خوشی کا ظاہر کرنا اور نبیؐ کے گھرانے کو رسوا کرنا اگرچہ لفظوں کے اعتبار اخبار احاد ہیں مگر معنی کے رو سے متواتر ہیں پس ہمیں اس کے بے ایمان ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لیئے ہم کہتے ہیں کہ خدا کی لعنت ہو یزید پر اور اس کے امداد کرنے والوں پر چاہے امداد مشورہ سے کریں اور چاہے اسلحہ سے اس کی امداد کریں۔

(نوٹ) شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت میں غور کرو۔ اس میں صیغہ متکلم مع الغیر اپنی ذلت

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر) کے بانی اور صدر مدرس رہے۔ مگر زندگی کے آخری چند سال آپنے سرگودھا شہر میں گذارے وہاں ایک عظیم الشان مسجد جامع مسجد فاروق اعظمؓ اور ایک مدرسہ دار العلوم فاروق اعظم قائم فرمایا مگر آپ تھوڑا ہی عرصہ بعد میں حیات رہے بالآخر ۱۳۸۹ھ کو انتقال فرمایا اور اپنے آبائی گاؤں اجنالہ ضلع سرگودھا میں مدفون ہوئے۔ محمد بشیر محمد علوی غفرلہ

کی نہیں بلکہ تمام اہل سنّت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اور علم عقائد کی کتابوں میں صرف اسی شرح عقائد کو نصاب تعلیم کے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل ہے اور آج تک کسی عالم نے اس کتاب کو نصاب تعلیم سے خارج کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ پندرہ روزہ ”الفاروق“ چوکیرہ ص ۲۲ - ۱۵ مئی ۱۹۵۷ء ج نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱۴۔ تقریباً اسی قسم کی تفصیل علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور کتاب عقائد شرح مقاصد میں تحریر فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۰۳ ج نمبر ۲ مطبوعہ جدید لاہور

(۱۲) حکیم الامت مجدّد الملت حضرت مولانا الشاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ (م ۱۳۶۲ھ) ایک طویل سوال کا جواب تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہؓ نے جائز سمجھا۔ حضرت امام (حسینؓ) نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے۔ باقی یزید کو اس قتال میں اس لئے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا خصوص جب کہ حضرت امامؓ آخر میں فرمانے بھی لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کو تو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ امام حسنؓ کے قتل کی بنا یہی تھی۔ اور مسلّط کی اطاعت کا جواز الگ بات ہے۔ مگر مسلّط ہونا کب جائز ہے بخصوص نااہل کو۔ اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل و عقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔ امداد الفتاوی ص ۴۱۶ ج نمبر ۴

(۱۳) امام ربانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (م ۱۰۳۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔ ویزید بے دولت از اصحاب نیست در بدبختی او کرا سخن کارے کہ آن بدبخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نکند۔ بعضی از علماء اہل سنّت کہ در لعن او توقف کردہ اند نہ آنکہ از وے راضی اند بلکہ رعایت احتمال رجوع و توبہ کردہ اند۔ مکتوبات امام ربانی ص ۱۳۲ دفتر اوّل مطبوعہ ترکی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یزید بدبخت صحابی نہیں ہے اور اس کے

بدبخت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اس بدبخت نے ایسے کام کیئے جو فرنگی کافروں نے بھی نہیں کئے بعض علماء اہل سنّت نے (مثل امام غزالیؒ وغیرہ) جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں اور اس سے راضی ہیں۔ بلکہ محض اس احتمال پر کہ شاید اس نے آخر وقت میں توبہ کر لی ہو اس بنا پر لعنت نہیں کرتے۔

(۱۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ (م ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ مورخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انہوں نے نامزد کیا ہے بالکل غلط ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اس کے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا کر بیٹھا۔ مکتوبات شیخ الاسلام ص ۲۶۶ ج نمبر ۱ مطبوعہ لاہور شائع کردہ مولانا سیّد حامد میاں صاحب۔ جامعہ مدنیہ لاہور۔

(۱۵) امام اہل سنّت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ (م ۱۳۸۱ھ) جو اپنے وقت کے بہت بڑے محقق تھے اور ان کی تحقیقات خصوصاً سنّی شیعہ نزاعی مسائل میں ان پر اکابر دیوبند نے اعتماد فرمایا اور امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے تو ان کو امام وقت قرار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے فرزند حضرت حسینؓ کا واقعہ کربلا سبق لینے کے لیئے کافی ہے۔ کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کٹوا دیا۔ ابو الائمہ حضرت علیؓ کی مقدس تعلیمات ص ۳۲

(۱۶) امام المجاہدین قطب الاقطاب حضرت سیّد احمد شہید قدس سرہٗ (م ۱۲۴۶ھ) فرماتے ہیں۔ (حضرت حسینؓ کا) یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اس سے ناجائز امور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر

اصرار کیا اور کام کو بہتر اور جانا تو حضرت ہمام رضی اللہ عنہ کی جانب سے دھتکارنے کے لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا۔ صراط مستقیم اردو ص ۱۰۴۔ مطبوعہ کراچی۔ (صراط مستقیم حضرت سید صاحبؒ کے ان علوم کا ذخیرہ ہے جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور حضرت مولانا عبدالحی صاحبان قدس سرہما نے جمع کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان علوم کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مدون کر کے کتابی شکل میں ضبط فرمایا تھا۔ علوی غفرلہ)

(۱۷) امام المناظرین شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوری ثم المدنی قدس سرہ (م ۱۳۴۶ھ) تحریر فرماتے ہیں۔ جناب امام (حسینؓ) یزید کو بوجہ اس کے فسق یا کفر کے علی اختلاف القولین لائق امامت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ملاحظہ ہو مطرقۃ الکرامہ علی مرآۃ الامامۃ۔ ص ۲۸۵۔ مطبوعہ جدید لاہور۔

خلاصہ: یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو اکابر دیوبند سے وابستہ کہتے ہیں ان کو سوچنا چاہیئے کہ یزید کو اکابر نے کیا کہا ہے۔ ہم نے بطور نمونہ کے چند اکابر کی کتابوں سے چند حوالہ جات نقل کر دیے ہیں۔ ورنہ تقریباً تمام محققین اکابر کے ہاں یہی بات مسلم ہے کہ یزید فاسق و فاجر تھا اس کو خلیفہ عادل کہنا یا صالح مسلمان کہنا صحیح نہیں ہے۔ اگر اس کے متعلق زیادہ تفصیل درکار ہو تو ”شہید کربلا اور یزید“ مصنفہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ”شہید کربلا“ مصنفہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ۔ ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ:۔ احقر نے یہ مضمون اول سے آخر تک اپنے شیخ و مربی سیدی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم اور اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم کو سنایا۔ ان دونوں حضرات نے بطور تائید چند کلمات بھی تحریر فرمائے جو کہ ابتدائے مضمون میں ہدیہ قارئین کر دیئے گئے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

کتبہٗ خادم اہل سنت الاحقر شبیر محمد علوی غفرلہٗ
مدرسہ خدام اہل سنت تعلیم القرآن کرم آباد وحدت روڈ۔ لاہور
۲۳ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۃ الکتاب

از قلم فیض رقم

قائد اہلِ سُنّت الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم

بانی و مرکزی امیر تحریک خدّام اہل سنت پاکستان

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمدؐ
رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین وعلیٰ خلفائہ الراشدین المہدیین وعلیٰ
اٰلہ واصحابہ اجمعین ۃ

اما بعد۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، قدس سرہٗ متوفی ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء) کے مکتوبات مبارکہ کا ایک مجموعہ بنام قاسم العلوم پاکستان میں شائع ہوا ہے جس میں گیارہ مکاتیب ہیں۔ ان میں ایک مکتوب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اثبات میں ہے۔ اس وقت پاکستان میں یزیدیت و خارجیت کی ایک مستقل تحریک چل رہی ہے جس کے بانی دورِ حاضر میں محمود احمد صاحب عباسی مصنّف کتاب ’’خلافت معاویہ و یزید‘‘ اور ’’تحقیق مزید‘‘ وغیرہ ہیں عباسی پارٹی اور اس کے مصنّفین تحریر و تقریر کے ذریعہ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ برائے نام خلیفہ تھے اور ان کی خلافت خلافتِ نبوّت نہیں تھی۔ یہ لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی خروج و بغاوت کا الزام لگاتے ہیں اور ان کو طالبِ جاہ و اقتدار قرار

دیتے ہیں اور ان کے برعکس یزید کو عادل وصالح، پاکباز ومتقی اور خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں اور اس یزیدی مشن میں بہت زیادہ سرگرم ہیں۔ یزیدیت اور خارجیت کی یہ تحریک اس لئے بھی خطرناک ہے کہ یہ لوگ سنی اور دیوبندی بن کر کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ عباسی پارٹی کے ایک مصنف مولوی عظیم الدین (کراچی) اپنی کتاب "حیات سیدنا یزید" میں عباسی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ (ص ۱۴۶)

یہ پارٹی انجمن محبین صحابہؓ اور مجلس حضرت عثمان غنیؓ وغیرہ مختلف تنظیموں کی شکل میں کام کر رہی ہے جس کی وجہ سے ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدت مند ہیں اور مخالفین کے حملوں کا دفاع کرتے ہیں۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے بعض دیوبندی مسلک کے تعلیم یافتہ افراد بھی اس فتنہ کا شکار ہو رہے ہیں اور چونکہ پاکستان میں روافض کی طرف سے بھی بہت زیادہ اشتعال انگیزی پائی جاتی ہے خصوصاً محرم اور چہلم کے ایام میں تو گویا سارا ملک ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ ماتمی مجالس کے علاوہ ماتمی جلوسوں کا بھی پھیلاؤ ہے۔ نذر و منت کے نام پر بھی ہر سال ماتمی جلوسوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان کی طرف سے "صحابہ آرڈیننس" کے نفاذ کے باوجود بھی اعدائے صحابہؓ تبرا بازی سے باز نہیں آتے۔ جس کے رد عمل میں سنی مسلمان ہر اس تحریک ومجلس سے تعاون کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا عنوان مدح وتحفظ ناموس صحابہ ہو (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

مسلکِ اعتدال

بیشک حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جماعت صحابہؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی امت کے مابین ایک واحد واسطہ ہے حسب ارشاد نبوی مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ

أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ (جو شخص میرے اصحاب کے ساتھ محبت رکھے گا وہ میری ہی محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھیگا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے بغض رکھے گا) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ایمان کی اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ لیکن جس طرح حبِّ اہل بیت کی آڑ میں بغض صحابہ مذموم ہے اس طرح حبِ صحابہ کی آڑ میں بغض اہل بیت بھی مذموم ہے۔ مسلک اہل سنت والجماعت ایک معتدل مسلک ہے جس میں افراط و تفریط نہیں پائی جاتی۔ رسول خدا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفائے راشدین، تمام صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات جو حسب ارشاد خداوندی وَ ازواجه امهاتهم تمام مومنین اور مومنات کی مومنہ مائیں ہیں۔ اور از روئے قرآن حضورؐ کی اہل بیت ہیں اور حضورؐ کے از روئے حدیث اہل بیت حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان سب سے محبت رکھنا ایمان ہے اور بغض رکھنا نفاق ہے۔ لہٰذا جو لوگ حبِّ صحابہ کرام کا عنوان قائم کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم کی صحیح شرعی عظمت کو گھٹاتے ہیں وہ بھی صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان میں اور روافض میں مقصد اور نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ ان کا تقیہ ہے۔

حضرت علیؓ کی توہین

محمود احمد عباسی حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "دشمنانِ دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب و حصول خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی"، اس کے بعد اپنی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ازالۃ الخفاء کی ایک عبارت سے غلط استدلال کرتے ہوئے اپنے ناپاک نظریہ کی تائید مزید میں ایک غیر مسلم

مستشرق کی عبارت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ شاہ صاحب کے اس خیال کا تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ بعنوانِ خلافت میں یہ لکھتے ہوئے کہ:۔ بلوائیوں کے جمِ غفیر نے (حضرت) علیؓ کو زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لئے بلایا اور طلحہؓ و زبیرؓ کو ان کی بیعت کیلئے مجبور کیا۔ کہا ہے کہ :۔ حقیقتِ نفس الامر یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو (خلیفہ شہید کی) جانشینی کا استحقاق واقعتاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے طلبِ خلافت میں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار اور حُبِّ جاہ کی تدابیر تھا۔ اس لئے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت) عثمانؓ کے طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ گیارہواں ایڈیشن جلد ۵ ص۲۰) (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص۵۵) ایک غیر مسلم (کافر) تو یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ میں تقدس و پارسائی کا جذبہ نہ تھا وغیرہ۔ لیکن ایک مسلمان یہ جسارت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ از روئے قرآن و حدیث قطعی جنتی ہیں۔ وہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ بیعت رضوان میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ناظرین کا کام ہے کہ عباسی صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں ایک غیر مسلم کی مندرجہ بالا عبارت نقل کر کے کونسا راستہ اختیار کیا ہے۔

(۲) حضرت علیؓ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اپنے عنادِ قلبی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

حضرت علیؓ کا مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں سکونت اختیار کرنا بھی اہلِ مدینہ سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر تھا اور جیتے جی مدینہ میں قدم نہ رکھنا بھی اہالیانِ مدینہ سے دل برداشتہ ہونے کی بنا پر نہ تھا۔

شاید ان کے ضمیر نے اجازت نہ دی کہ جب یہ تین اندوہناک حالات ان کی سیاسی لغزشوں کے نتیجہ میں پیش آچکے ہوں (۱)، یعنی خلیفہ کے قتل کو جس کی بیعت میں وہ داخل تھے نہ روکنا (۲)، قتل کے بعد ان کے خون کا قصاص نہ لینا اور (۳) سب سے بڑھ کر اپنی ماں ام المومنین سے جو قاتلین سے قصاص لینے گئی تھیں برسرپیکار رہنا، اور ان سبائیوں کی سازش سے جو ان کی فوج میں شامل ہوکر گئے تھے اور ان کی اہانت کے موجب اور اذیّت جسمانی پہنچ جانے کے باعث ہوئے تھے ان کو بدستور اپنا مشیر بنائے رکھنا۔ ان حالات میں وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے سامنے کیسے حاضر ہو سکتے تھے خصوصاً آپ کی محبوب ترین رفیقہ حیات کے ساتھ اس طرز عمل کے بعد تحقیق مزید ص"

بطور نمونہ یہاں صرف دو عبارتیں درج کی ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عباسی صاحب کے دل میں کیا ہے۔ اور یہ حبّ اُم المومنین کی آڑ میں سنّیت ہے یا سبائیت و خارجیت۔ ان کی مزید تفصیل ان شاء اللہ میری زیر تالیف کتاب "خارجی فتنہ" میں آئے گی۔

امام حسینؓ کی توہین

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں حسب ارشاد نبوی (حضرت حسنؓ اور) حضرت حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ لیکن محمود احمد صاحب عباسی ان کو بھی جاہ و اقتدار کا طالب سمجھتے ہیں اور ان پر بھی ایک غیر مسلم مورخ کی عبارت کی آڑ میں تنقیدی نشتر چلاتے ہوئے لکھتے ہیں :- "آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسین کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے وہ لکھتا ہے :- کہ اخلاف یعنی آنے والی نسلوں کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور یہ

اوقات انصاف اور قومی امن اور اپنی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتداء میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خد و خال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوا، ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعوئے خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔" (ص۴۷ تاریخ مسلمانان اسپین مؤلفہ دوزی مترجمہ فرانسس گریفن سٹوکس مطبوعہ لندن ۱۹۱۲ء)۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص۱۲۵)

یہاں اس بحث کی گنجائش نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کی کیا نوعیت تھی صرف اس مقصد کے تحت بحوالہ دوزی عباسی کی عبارت پیش کی ہے، کہ عباسی صاحب حضرت حسینؓ کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں اور وہ حضرت امام حسینؓ کو ایک خدا پرست طالب رضائے حق صحابی مانتے ہیں یا جاہ پسند اور نفس پرست انسان۔

یزید اور عباسی

حضرت علی المرتضیٰؓ جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے اور فیض یافتہ صحابی اور جنتی شخصیت ہیں۔ ان دونوں کے متعلق عباسی صاحب کا نظریہ ان کی مندرجہ بالا عبارتوں سے پیش کر دیا ہے۔ اب ان کی وہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیے جن میں انہوں نے یزید بن معاویہؓ کے متعلق اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ خصائل محمودہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔ علم و

فضل، تقویٰ و پرہیزگاری پابندی صوم وصلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ ومتین تھے۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے:۔ "وہ (یعنی امیر یزید) حد درجہ حلیم وکریم سنجیدہ ومتین۔ غرور وخود بینی سے مبرا۔ اپنی زیردست رعایا کے محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔" (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص۱۱۶۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں لکھتے ہیں:۔ وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرائ في الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة

(ص ۲۲۰ ج ۸ - البداية والنهاية وتاريخ الاسلام ذهبی ص ۹۳ جلد ۲)

(ترجمہ) "اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم وکرم۔ فصاحت وشعرگوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوبصورت اور خوش سیرت تھے۔" خلافت معاویہؓ یزید" ص۱۰۰

اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ نے جو لکھا ہے حسب ذیل ہے:۔ "وكان فيه ايضا اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات في بعض الاوقات واماتتها في غالب الاوقات۔" (ترجمہ) اور اس میں یہ بھی عادتیں تھیں، شہوتوں کی طرف اس کا میلان تھا۔ اور بعض اوقات میں بعض نمازیں چھوڑ دیتا تھا۔ اور اکثر اوقات میں وہ نمازوں کو فوت کر دیتا تھا۔"

چونکہ مندرجہ عبارت سے یزید کا فسق ثابت ہوتا تھا اس لئے عباسی صاحب نے یہ عبارت نہیں لکھی حالانکہ یہ کھلی ہوئی خیانت ہے۔ جب حافظ ابن کثیر کی رائے یزید کے بارے میں لکھنا مقصود تھا تو ان کی اس بارے میں ساری عبارت درج کرنا لازم تھا تاکہ

ناظرین کو ان کی رائے صحیح طور پہ معلوم ہو جائے۔ اس سے عباسی صاحب کی تحقیق و دیانت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب اس حرکت پر گرفت ہوئی تو دوسرے ایڈیشن میں بھی وہ حذف شدہ عبارت نہیں لکھی، بلکہ حاشیہ میں یہ نوٹ دیدیا کہ:-

"اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لئے حذف کر دیئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے مثلاً برادر حسینؓ محمد بن الحنیفہ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے۔ نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے"۔ (خلافت معاویہؓ و یزید ص۱) یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

اعتراض تو یہ ہے کہ اگر یزید کے بارے میں ابن کثیرؒ کی رائے کا صحیح اظہار مقصود تھا، تو پھر یہ تدبیر صحیح ہے جو عباسی صاحب نے اختیار کی ہے۔ اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔

یزید فاروق اعظمؓ کی پیروی میں

(۲) نیز لکھتے ہیں:- امیر یزید کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرز معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے، زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا، حکومت کے طمطراق و تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف و عطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے، مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے زہاد و عباد امت کی مجالس میں شریک ہوتے حضرت ابو الدرداء جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ امیر یزید کے ہم جلیس زہاد و عباد امت تھے۔ علماء و فضلاء تھے، طلاب و شیدایان علم تھے الخ (ایضاً طبع چہارم ص۱۰۱)

کردار یزید کا دوسرا پہلو

مندرجہ عبارت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یزید بڑا عابد و زاہد تھا حضرت ابو درداؓ جیسے صحابی سے فیضان حاصل کرتا تھا حضرت ابو الدرداءؓ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں وفات پائی ہے اور یزید کی پیدائش بھی حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوئی ہے۔ خدا جانے یزید نے کس عمر میں یہ صحبتیں

حاصل کی ہیں۔ یہ بحث کتاب "خارجی فتنہ" میں آئے گی) یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یزید تو عباد و زہاد کی مجالس کے فیضان سے عابد و زاہد بن گیا تھا۔ کیا حضرت حسینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ کو بھی حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش اور صحبت اور دعوات و برکات سے کچھ حصہ ملا تھا یا نہیں؟ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

اب کردارِ یزید کا دوسرا روشن پہلو عباسی صاحب ہی کی عبارت سے ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقمطراز ہیں :" یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہ کی پالیسی و طریق کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا تھا۔ وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب اور آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔" (خلافت معاویہ و یزید ص۳۰۵) (ب) یہ بات بھی صحیح ہے کہ یزید شکار کے شوقین تھے مگر وہ امن پسند و صلح جو اور فیاض اور فراخ دل شاہزادہ تھے۔ (دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارہواں ایڈیشن" (ایضاً ص۳۰۶)

(۲) عباسی صاحب لکھتے ہیں :۔ اس میں شک نہیں کہ امیر یزید بڑے شکاری اور زبردست شاہسوار تھے۔ پروفیسر ہٹی نے اسلام میں پہلا بڑا شکاری انہیں کہا ہے (THE FIRST GREATHUNTER IN ISLAM)

یزید کا چیتے کو سدھانا اور لکھا ہے یہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک چیتے کو سدھایا تھا کہ گھوڑے کے دھڑ کے پچھلے حصہ پر سوار چلا کرے۔ مورخ الخضری نے بھی لکھا ہے کہ یزید شکار کے بڑے شوقین تھے" (ص۱۲۴ جلد ۲) مگر شکار کا شوقین ہونا اور شکاری چیتے پالنا تو ممنوع نہیں۔ قرآن مجید میں شکاری چوپایوں اور پرندوں کے ذریعہ شکار کھیلنے کے احکام میں خدا نے جب شکار حلال کیا اسے حرام کون کہہ سکتا ہے اور امر مباح کے مرتکب کو فاسق کیسے کہا جا سکتا ہے" (تحقیق مزید ص۱۶۹) الجواب :۔ شکار کے مباح ہونے کا یہ مقصد تو

نہیں کہ خلیفہ وقت شکار ہی کھیلتا رہے اور چیتا سدھانے اور اس کے کرتب دیکھنے اور دکھانے میں عیش و بدمستی کی زندگی گزارے۔ کیا خلفائے راشدین نے بھی شکار کے مباح ہونے کی وجہ سے اس قسم کے مظاہرے کئے تھے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

یزید کے حرم میں مغنیّہ

بعنوان " منصف مزاجی " عباسی صاحب لکھتے ہیں:۔ منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزید دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیرؒ نے سلامہ نامی ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قرأت سے سناتی، شاعر اور مغنیّہ تھی۔ حضرت حسان بن ثابت کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گزر چکا۔ اس کنیز کی امیر یزید سے بہت کچھ ثنا و صفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔ کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آکر داخلِ حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہو گئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام میں گرفتار ہیں۔ امیر یزید نے احوصؔ کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی۔ ان دونوں نے فی البدیہ اشعار میں اقرار محبت کیا سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے تو کیا اب روح اور جسم میں مفارقت ہو سکے گی۔ امیر یزید نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے احوص اب یہ سلامہ تمہاری ہے تم اسے لو۔ پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔" (البدایہ و النہایہ جلد ۸ صـ۲۳۹)

عباسی صاحب نے یہاں جتنا واقعہ سلامہ (مغنیّہ یعنی گانے بجانے والی) کا لکھا اس سے بھی یزید کے زہد و تقویٰ پر کافی روشنی پڑتی ہے لیکن ابن کثیرؒ کی درمیان کی

عبارت عباسی صاحب نے حذف کر دی ہے جس سے یزید صاحب مجسم زہد و تقویٰ ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

وکان عبد الرحمٰن بن حسانؓ والاحوص یجلسان علیہما الخ (عبدالرحمٰن اور احوص دونوں سلامہ (یعنی گلوکارہ) کے پاس بیٹھتے تھے، لیکن سلامہ کا اصل تعلق احوص کے ساتھ ہو گیا تھا اس لئے عبدالرحمٰن نے رقابت کی وجہ سے یزید کو سلامہ کی خریداری کی ترغیب دی تھی۔ احوص کو جب اس کا علم ہوا تو وہ یزید کے پاس جا کر ٹھہرا۔ یزید نے بھی اس کا اکرام کیا۔ سلامہ نے ایک خادم کو لالچ دے کر احوص کے اس کے پاس لانے کے لئے بھیجا۔ یزید کو خادم نے اس امر کی اطلاع کر دی تو یزید نے خادم سے کہا کہ تم احوص کو سلامہ کا پیغام پہنچا دو۔ چنانچہ احوص سلامہ کے بلانے پر اس کے ہاں آ گیا ساری رات سحری تک وہ دونوں ایک کمرے میں اکٹھے رہے۔ اور یزید ساری رات ان کو چھپ کر دیکھتا رہا۔ البدایہ والنہایہ کے الفاظ یہ ہیں :- وجلس یزید فی مکان یراھما ولا یریانہ (اور یزید ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے وہ ان کو دیکھتا تھا لیکن وہ دونوں اس کو نہیں دیکھتے تھے) صبح جب احوص سلامہ کے ہاں سے نکلا تو خلیفہ (یزید) صاحب نے اس کو پکڑ لیا۔ پھر سلامہ کو بلایا تو دونوں نے اپنے عشق کا اقرار کر لیا۔ اور سلامہ نے وہ شعر پڑھا جس کا ترجمہ خود عباسی صاحب نے بھی لکھ دیا ہے۔

مقام عبرت

عباسی صاحب کی مندرجہ عبارات سے ثابت ہوا کہ (۱) یزید موسیقی کا شوق رکھتا تھا (۲) اسلام میں پہلا بڑا شکار کا کھلاڑی تھا اور اسی سلسلہ میں چیتا بھی سدھایا ہوا تھا (۳) مغنیّہ (گانے بجانے والی عورتوں کو اپنے حرم میں رکھتا تھا۔ (۴) سلامہ مغنیّہ اپنے اوصاف و کمالات کی وجہ سے سب پہ فوقیت لے گئی تھی۔ (۵) سلامہ کے دو عاشق تھے جن میں احوص کامیاب ہو گیا تھا (۶) یزید نے خادم کو اجازت دے دی کہ وہ احوص کو سلامہ کے پاس لے

آئے (۷) سلامہ اور احوص ساری رات اکٹھے رہے (۸) خلیفہ صاحب بھی سحری تک ساری رات عشقبازی کا مظاہرہ دیکھتے رہے (۹) جب صبح دونوں نے معاشقہ کا اقرار کر لیا تو امیر المومنین نے انتہائی منصف مزاجی کے تحت سلامہ کو احوص کے حوالے کر دیا اور اس کو انعام واکرام سے نوازا۔

اب کوئی منصف مزاج صاحب ہمیں بتائیں کہ کیا یہی کردار ایک عادل و صالح اور خلیفہ راشد کا ہوتا ہے۔ کیا منصب خلافت کے یہی تقاضے ہونے چاہئیں؟ مفروضہ زہد و تقویٰ کا یہی اعلیٰ نمونہ ہے۔ ساری رات اس قسم کا نظارہ دیکھنا کیا یہ بھی خلیفہ صاحب کی نفلی عبادات میں شامل ہے۔ کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی نمونہ تھا جس کے متعلق عباسی صاحب لکھ رہے ہیں کہ:۔ امیر یزید کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظم کی پیروی کا اہتمام نہ تھا بلکہ طرز معاشرت میں بھی اُن کی پیروی کرتے۔ زندگی حد درجہ سادہ تھی "۔ کیا دوسرے حضرات صحابہؓ سے یزید کو یہی فیضان حاصل ہوا تھا جس کا ڈھنڈورا عباسی صاحب پیٹ رہے ہیں۔ اگر مذکورہ کردار والے خلیفہ کو اکابر اہل سنت والجماعت نے فاسق قرار دیا ہے تو بتائیں ان کا کیا جرم ہے۔ ایسے شخص کو عادل و صالح اور راشد خلیفہ کہنا جرم ہے یا فاسق قرار دینا۔ عبرت، عبرت، عبرت۔

سندیلوی اسحٰق عباسی

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ (حال جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) بھی یزید کے حامی ہیں۔ چنانچہ اپنے ایک رسالہ بنام قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) کے اعتراضات کا "جواب شافی" ص۲۱ پر لکھتے ہیں:۔

میری رائے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر بھائی اور یزید کے ، گواہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کی تحقیق کے عین مطابق ہے کہ:۔ یزید ایک

صالح مسلمان تھے اور خلیفہ عادل بھی تھے الخ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ: حضرت محمد بن حنفیہ کا مفصل ارشاد علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱۸/۲۲۴ مطبوعہ بیروت میں دیا ہے۔"

الجواب۔ (۱) اس کی مستقل بحث تو زیر تالیف کتاب "مولانا محمد اسحاق سندیلوی اور خارجی فتنہ" میں آئے گی، یہاں دریافت طلب امر یہ ہے حضرت محمد بن حنفیہ یزید کے پاس کتنا عرصہ ٹھہرے تھے ؟ (۲) حضرت محمد بن حنفیہ کے بڑے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ جو صحابی بھی ہیں اور حسب حدیث نبوی جنت کے جوانوں کے سردار بھی ہیں۔ انہوں نے یزید کی کیوں مخالفت کی تھی ؟ اگر سندیلوی صاحب ان کی مخالفت کو حصول اقتدار کی خواہش پر مبنی قرار دیں تو یہ بدظنی حضرت حسینؓ کی شرف صحابیت کے خلاف ہے۔ (۳) علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت محمد بن حنفیہ کا مذکورہ قول نقل کرنے کے باوجود یہ لکھا ہے کہ :- شہوتوں کی طرف اس کا میلان تھا اور بعض اوقات میں بعض نمازیں چھوڑ دیتا تھا اور اکثر اوقات میں وہ نمازوں کو فوت کر دیتا تھا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲) (۴) اگر یزید صالح و عادل خلیفہ تھا تو اہل مدینہ نے اس کی بیعت کو کیوں توڑا جس کی بنا پر واقعہ حرّہ پیش آیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے بیٹوں نے اس کی مخالفت کیوں کی جس کے نتیجہ میں آپ شہید ہو گئے (۵) مولانا سندیلوی کے ممدوح محمود احمد عباسی صاحب نے البدایہ والنہایہ سے سلہؔھ اور راحوص کے معاشقہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اور یزید کا اس بارے میں جو کردار سامنے آتا ہے، (جیسا کہ پہلے عبادت پیش کی جا چکی ہے) کیا اس کے باوجود بھی یزید کو صالح اور عادل خلیفہ قرار دے سکتے ہیں۔

کتاب خلافت معاویہ و یزید کی تائید از سندیلوی

عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" شائع ہوئی تو حضرت مولانا قاری

محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس کے خلاف ایک بیان دیا تھا۔ جس کے جواب میں مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی نے " دیوبند سے ایک عجیب بیان " کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جو صدق جدید لکھنؤ مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے لکھا کہ " کتاب خلافت معاویہ و یزید " تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہم نوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیو بند کا یہ اعلان اور بھی تحیّر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل السنت و الجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔ میں نے کتاب اوّل سے آخر تک دیکھی اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد الخ۔ سندیلوی صاحب کا یہ بیان عباسی صاحب نے " خلافت معاویہ و یزید " طبع سوم ص۱۸ پر نقل کیا ہے لیکن بجائے نام کے یہ لکھا ہے کہ :-

دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاد نے " دیو بند سے ایک عجیب بیان " کے عنوان سے الخ سندیلوی صاحب کے اس بیان کی تردید ماہنامہ دارالعلوم دیوبند جنوری ۱۹۶۰ء میں مولانا ابوالمنظور احمد استاذ مدرسہ احیاء العلوم بانسواڑہ دکن نے کر دی تھی۔ یہاں سندیلوی صاحب کے مذکورہ بیان کا ذکر اس لئے کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے کتاب " خلافتِ معاویہ و یزید " اوّل سے آخر تک دیکھی ہے اور اس کتاب میں سلامہ ۔ احوص اور یزید کا قصہ بھی مذکور ہے۔ اس لئے میں نے عرض کر دیا ہے، کہ اس قصہ کے تحت خلیفہ یزید کا کردار جو سامنے آتا ہے کیا یہ کسی صالح اور عادل خلیفہ کا کردار ہو سکتا ہے ؟ اور سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا بھی بالکل غلط ہے کہ اس (کتاب) کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد "۔ کیونکہ عباسی صاحب نے اس کتاب میں بعنوان " سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت " خلافتِ مرتضوی پر

مفصل بحث کی ہے اور اپنے موقف کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ کیا سندیلوی صاحب کے نزدیک حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کی بحث مذہبی عقائد سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ؟ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت بھی خلفائے ثلاثہ کی طرح آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق ہے۔ چنانچہ "جواب شافی" میں موصوف نے یہ تصریح کر دی ہے کہ :۔

حضرت علیؓ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق ہے الخ

مولانا سندیلوی یزید کو خلیفہ صالح مانیں یا خلیفہ راشد ، وہ اپنے نظریہ میں آزاد ہیں کیونکہ وہ اکابر سلف کی تحقیق کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ان کا یہ کہنا کس قدر تعصب یا کج فہمی پر مبنی ہے کہ محمود احمد عباسی کی زیر بحث کتاب کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔

اکابر اسلام اور سندیلوی

میں نے "دفاع صحابہ" میں لکھا تھا کہ :۔ مولانا موصوف (یعنی سندیلوی صاحب) بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں جس کی وضاحت انہوں نے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں کر دی ہے۔ حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ، علامہ حیدر علی مؤلف منتہی الکلام وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی (جن کو امام تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ نے امام وقت قرار دیا ہے) سب یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں سندیلوی صاحب فرماتے ہیں :۔ ان بزرگوں کے ساتھ محبت و عقیدت کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ان کی کفش برداری میسر ہونے کو باعث عزت، لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے

کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ یہ جانتا ہوں کہ یہ بزرگانِ امت مخلص اور حق پسند تھے اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں الخ (جواب شافی ص۱۶۔

یہاں سندیلوی صاحب سے مختصراً سوال یہ ہے کہ اگر بغیر تحقیق کے ان حضرات نے (جن کی کفش برداری کو آپ باعث عزت سمجھتے ہیں) یزید کو فاسق قرار دیا ہے تو کیا ان کے علم و تقویٰ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اس صورت میں آپ کا ان حضرات سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنا کیا تقیہ کے دائرہ میں تو نہیں آتا۔ کیا سندیلوی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ محدثین اور شارحین حدیث نے بھی یزید کی شخصیت پر بحث کی ہے اور فن اسماء الرجال کے ماہرین نے بھی اس کو غیر عادل اور غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ کیا آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسمائے الرجال کی کتابوں میں کسی نے اس کو عادل اور صالح قرار دیا ہے اور سندیلوی صاحب یہ بھی جانتے ہوں گے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ تو اس اصول کی بنا پر یزید کو غیر ثقہ اور غیر عادل کہنا ہی صحیح ہے۔ مشہور محقق مؤرخ ابن خلدون بھی یزید کو بالاتفاق فاسق قرار دیتے ہیں اور دورِ حاضر کے مورخ علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق میں بھی وہ فاسق ہے۔ یہ صدیوں کے محققینِ اہلِ سنت جن میں فقہاء محدثین بھی ہیں، اور مؤرخین و متکلمین بھی، مجددینِ امت بھی ہیں اور مصلحینِ ملت بھی یزید کو فاسق ہی کہتے ہیں (حتیٰ کہ بعض اکابر نے اس کی تکفیر بھی کی ہے) تو کیا ان سب حضرات نے بلا تحقیق یزید کو فاسق کہہ دیا ہے؟ سندیلوی صاحب کے پاس وہ کونسی کتب پہنچ گئی ہیں جن سے یہ حضرات ناواقف تھے۔ اسلاف اسلام کی اگر یزید کے بارے میں تحقیق کا یہ حال ہے تو دوسرے عقائد و مسائل میں ان پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام! سندیلوی صاحب کی تضاد بیانیوں کے انکشاف کے لئے میری زیرِ تالیف کتاب خارجی فتنہ” کا انتظار فرمائیں۔

حضرت مولانا نانوتویؒ

بعض لوگ یزید کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؓ کو باغی قرار دیتے ہیں۔ ان کو شہید تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اہل سنت والجماعت کا اس بات پہ اجماع ہے کہ حادثہ کربلا میں حضرت حسینؓ شہید ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے اپنے ایک محققانہ مکتوب میں اس مسئلہ کے ماله وما علیہ پر مفصل اور مدلل بحث فرمائی ہے اور اسی سلسلہ میں یزید کو فاسق قرار دیا ہے۔ حامیان یزید اپنے موقف کی تائید میں یزید کی بیعت کے متعلق بخاری شریف سے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد پیش کرتے ہیں اس کا بھی شافی جواب دیا ہے۔ یزید کی بیعت کرنے یا نہ کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا۔ چنانچہ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:۔ مگر اس وقت اہل رائے اور اہل تدبیر کی رائے مختلف ہوگئی۔ جس کسی کو فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آیا اس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور معصیت سے بچنے کے لئے نیکی کی پیروی کرنے کی شرط کو درمیان میں رکھا لیکن جس شخص یعنی حضرت امام حسین کو بڑی جماعت کے وعدے پر غلبہ اور شوکت کی امید نظر آئی وہ اس کے لئے کھڑا ہوگیا اور جنگ کا عزم کر لیا۔ بس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سید الشہداء (امام حسینؓ) نے کیا وہ بالکل حق اور صواب کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد امید غلبہ وعدم غلبہ پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے کے اختلاف پہ۔ مگر انجام کار کوفیوں کی وعدہ خلافی کی وجہ سے حضرت سید الشہداء (امام حسینؓ) علیہ السلام کی تدبیر فیل ہوگئی اور ۱۰ محرم کو قیامت سے پہلے میدان کربلا میں قیامت قائم ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (ترجمہ مکتوب قاسمی) **خلاصہ** یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کو یزید کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کی امید تھی۔ اس لئے

انہوں نے بیعت نہ کی۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ اصحابؓ کو کامیابی کی اُمید نہ تھی اس لئے انہوں نے یزید کی مخالفت نہ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوفیوں کی غداری کی وجہ سے آپ کو کامیابی کی اُمید نہ رہی تو پھر آپ نے ابن سعد کے سامنے یہ تین شرطیں پیش کریں (۱) واپس لوٹ جائیں (۲) سرحد پر کفار کے ساتھ جہاد میں شامل ہو جائیں (۳) خود یزید کے پاس جا کر بات کریں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام حسین نے ایک شرعی بنیاد پر یزید کی مخالفت کی تھی نہ کہ محض حصولِ اقتدار کی خواہش کے تحت جیسا کہ عباسی اور ان کی پارٹی کہتے ہیں لیکن جب کوفیوں سے مایوس ہو گئے تو سابقہ پالیسی میں تبدیلی کر دی۔ یعنی مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا لیکن محمود احمد عباسی صاحب کا یہ قول غلط ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے مؤقف میں تبدیلی کر لی تھی اور یزید کی بیعت کے لئے ہی اس کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ اس لئے کہ :-

(ا) آپ کے کسی قول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے سابقہ نظریہ ترک کر دیا تھا جن روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ نے فرمایا "کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دوں" اس میں بھی آپ نے اس کی توجیہ کی وضاحت نہیں کی۔ یعنی یہ کہ میری سابقہ رائے صحیح نہ تھی۔

(ب) اگر آپ سابقہ مؤقف سے رجوع کرتے ہوئے بیعت یزید کے لئے آمادہ ہو جاتے تو پھر دوسری دو صورتیں پیش نہ کرتے یعنی واپس وطن جانا، یا کفار سے جہاد کے لئے نکلنا۔ کیونکہ اصل نزاع تو بیعت یزید کے بارے میں تھا اس لئے اگر آپ بیعت کرنے کے خواہشمند ہوتے تو صرف یہی مطالبہ پیش کرتے کہ مجھ کو یزید کے پاس لے جاؤ تاکہ میں بیعت کر لوں۔ پھر اس کام کی تکمیل کے بعد آپ واپس وطن بھی جا سکتے تھے اور جہاد پر بھی۔ باقی دونوں

صورتیں پیش کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے بیعت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر آپ نے فسق یزید کی وجہ سے اس کی بیعت نہیں کی تھی تو کیا اب آپ کے نزدیک اس کے فسق کا ازالہ ہوگیا تھا یا آپ نے اس سابقہ رائے کو غلط قرار دیدیا تھا کہ یزید فاسق ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کامیابی اور غلبہ کی امید ختم ہونے کے بعد آپ نے حالات کے تحت حضرت عبداللہ عمرؓ کے اجتہاد کے مطابق یزید کی بیعت کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس صورت میں بھی یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے یزید کو صالح سمجھ لیا تھا۔ بلکہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آپ نے اھون البلیتین پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اسی مکتوب میں حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:۔ اور اختلافی مسائل میں ایک شخص کا دوسرے سے اختلاف کرنا اس کا سبب نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسرے لوگ اس اختلاف کرنے والے کو فاسق قرار دیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کہہ سکتا ہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت امامؓ نے اس مسئلہ میں غلطی کی۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی الخ۔

اس میں حضرت نانوتویؒ نے بالفرض یہ لکھا ہے کہ ان سے اجتہادی خطا تو ہو سکتی ہے لیکن اجتہادی خطا کے صدور کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن خود حضرت نانوتویؒ کا موقف یہ ہے کہ حضرت حسینؓ سے اس بارے میں اجتہادی خطا نہیں ہوئی اور آپ کا اجتہاد صحیح تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ ہرچہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ و امثال اوشاں کردند بجا کردند۔ و آنچہ حضرت سید الشہداء نمودند عین حق و صواب نمودند" پس جو کچھ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سید الشہداء (امام حسینؓ) نے کیا وہ بالکل حق اور صواب

(صحیح) کیا۔

لقب سید الشہداء

حضرت نانوتویؒ نے حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ سید الشہداء لکھا ہے۔ اس پر بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سید الشہداء تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا ہے اس لئے یہ لقب کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ اس کا جواب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے دیا ہے کہ "۔ اگر دعویٰ تخصیص کا الفاظ ہی کے ساتھ خاص ہے تو اس اطلاق کو کمال کے ساتھ خاص کیا جائے گا کما ذکر۔ اور حضرت امام حسینؓ کو بعد کے درجہ میں سید الشہداء کہا جائے گا۔ مثلاً سیّد الشہدا میں لام عہد کا ہو اور مراد اس سے شہدائے کربلا ہوں۔ حضرت امام کے ان کے سید اور رئیس ہونے میں کلام نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الحسن والحسین سید الشباب اہل الجنۃ (یعنی حسنؓ وحسینؓ اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں) اور ظاہر ہے کہ شباب (نوجوانوں) میں شہداء بھی ہیں تو ان کے بھی سردار ہوئے تو سید الشہداء ہونا بے تکلف نص سے ثابت ہوگیا الخ (امداد الفتاوی جلد چہارم ص۵۹۸)

حضرت تھانویؒ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ بھی تمام شہدا کے سردار نہیں ہیں کیونکہ شہداء میں انبیائے کرام علیہم السلام بھی ہیں اور شہدائے بدر بھی۔ اس لئے یہ ایسا لقب نہیں ہے کہ کسی دوسرے پر اس کا اطلاق ناجائز ہے اور حضرت حسینؓ بھی تمام شہدا کے سردار نہیں ہیں۔ صرف شہدائے کربلا وغیرہ کے سردار ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل امداد الفتاوی میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

التمہید فی بیان فسق یزید

پاکستان میں اہل سنت والجماعت کی غفلت اور ناواقفیت کی وجہ سے شیعیت وغیرہ دوسرے فتنوں کے ساتھ خارجیت بعنوان یزیدیت کا فتنہ بھی پھیل رہا ہے۔ جس میں

دیوبندی حلقہ بھی مبتلا ہو رہا ہے۔ تحریک خدّام اہلِ سنّت کے ایک نوجوان عالم قاری شبیر محمد صاحب علوی سلمہٗ (فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور) نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا یہ محققانہ مکتوب کتابی صورت میں شائع کرکے ایک اہم دینی خدمت سر انجام دی ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے ابتدائیہ کے طور پہ اپنا ایک جامع مقالہ بعنوان "التمہید فی بیان فسق یزید" بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم و عمل میں ترقی عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رح کی تحریرات عام فہم نہیں ہوتیں۔ عام تعلیم یافتہ حضرات (جو علمی مباحث کے سمجھنے کی زیادہ اہلیت نہیں رکھتے) اگر کسی مضمون کی کوئی بات سمجھ نہ سکیں تو وہ کسی سنی واقف عالم سے سمجھ لیں۔

حضرت گنگوہی رح و حضرت نانوتوی رح

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق مئی سنہ ۱۸۶۶ء کو قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور (یو-پی) کی مسجد چھتہ میں ایک انار کے درخت کے نیچے رکھی گئی تھی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی رح اور حجۃ الاسلام حضرت مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح دارالعلوم کی دو عظیم مرکزی جامع الصفات شخصیتیں ہیں۔ جن کو روحانی فیض شیخ المشائخ امام چشتیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ سے حاصل ہوا ہے۔ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا السیّد حسین احمد صاحب محدث مدنی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اپنے ایک مضمون میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: "اس روز افزوں فتنہ (یعنی سنہ ۱۸۵۷ء) میں انگریزی حکومت کے مظالم نے اہل اللہ کے چھکے چھڑا دیئے۔ ان کو صاف دکھائی دینے لگا کہ اگر اس وقت تھوڑی سی بھی غفلت برتی گئی تو حکومت اسلامیہ کی طرح مذہب اسلام اور صحیح عقیدہ اور عمل بھی بہت جلد ہندوستان سے رخصت ہو جانے گا۔ اس لئے اپنی کوششوں سے

اور صرف اپنی کوششوں سے ایک ایسی آزاد دینی درسگاہ قائم کرنی چاہیئے۔ جو کہ مسلمانوں کی مذہبی صحیح اور واقعی رہنمائی کرتی ہوئی لوگوں کے لئے نمونہ بنے۔ ملک ہندوستان میں اہل سنت والجماعت کی حسب طریقہ اسلاف کرام محافظ ہو۔ وہ اگر ایک طرف بخاریؒ اور ترمذیؒ کی روحانیت پیدا کرے تو دوسری طرف ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کی نورانیت کی بھی ذمہ دار ہو۔ وہ اگر ایک طرف اشعریؒ اور ماتریدیؒ کی تحقیقات کا چسکہ نمودار کرے تو دوسری طرف جُنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ کی گھٹی پلا دے۔ وہ نہ صرف اتباع شریعت کا ذوق و شوق پیدا کرے بلکہ سُنّت نبویہ اور طریقت باطنیہ کا بھی والہ اور فریفتہ بنا دے۔ وہ اگر ایک طرف اسلام کی اندرونی محافظت کا ملکہ پیدا کرے تو دوسری طرف مخالفین اسلام کے بیرونی حملوں کے بچانے کی قوت کی بھی کفیل ہو۔ الغرض نقاد پر کے تصرفات اور اہل اللہ کی ہمتوں اور دعاؤں نے چند ایسے باہمت اور پاکیزہ حضرات کو کھڑا کیا جو علم اور عمل کے جامع اور زہد و ریاضت کے محدث تھے۔ اُنہوں نے ایسے معجون مرکب نصاب اور طرز تعلیم وغیرہ کو مرتب کیا جو کہ ولی اللٰہی حدیث و تفسیر اور نظامی معقول کا جامع تھا۔ اس طرح وہ حنفی فقہ کا حامی مجددی اتباع سنت کا محافظ اور اہل سنت والجماعت کا آرگن تھا جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دو سو برس پیشتر اپنی روحانی قوت سے ادراک کیا تھا اور بوقت نظر بندی دیوبند سے گزرتے وقت فرمایا تھا کہ یہاں سے احادیث نبویہ کی بُو آتی ہے۔

حضرت نانوتویؒ کا خواب

اسی مضمون میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :- دار العلوم کی پرورش ہمیشہ سے محض ظاہری علوم ہی سے آراستہ ہونے والے نفوس کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ اس کی باگ ہر زمانے میں اہل اللہ کے ہاتھوں میں رہی جو کہ طریقت اور حقیقت کے قطب اور امام اور روحانی کمالات اور معنوی علوم کے آفتاب بھی تھے۔ ریاضت اور تقویٰ

سے انہوں نے اپنے آپ کو پاکیزہ بنالیا تھا۔ حضرت نانوتوی مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہٗ العزیز کا وہ خواب کہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوئے ہیں اور ان کے پیروں کے نیچے چاروں طرف سے نہریں جاری ہیں اور مولانا رفیع الدین (مہتمم) کی یہ رویا (یعنی خواب) کہ علوم دینیہ کی کنجیاں ان کو دی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اہل اللہ کے مبشرات کا مظہر یہ مدرسہ ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ معنوی برکات اور مُقدس اور پاکیزہ ارواح مقبولہ کے سایہ سے آج تک دارالعلوم خالی نہیں رہا الخ۔ (ماخوذ از الجمعیت دہلی۔ دارالعلوم دیوبند نمبر)

دیوبندی حضرات کی خدمت میں

اسلام کے نام پر امت میں جتنے فرقے بنے ہیں یا بنیں گے ان سب میں حسب ارشاد رسالت مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ (یعنی وہ لوگ جنتی ہوں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے) اہل السنت والجماعت ہی برحق ہیں اور دارالعلوم دیوبند اس دور میں مسلک اہل سنت والجماعت کا ہی رشد و ہدایت کا ایک عظیم مرکز ہے اللہ تعالے اس کو داخلی اور خارجی فتنوں سے محفوظ رکھیں آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۔

پاکستان کے دیوبندی حلقوں میں اس وقت بہت زیادہ افتراق و انتشار پایا جاتا ہے۔ اور اس کی غالب وجہ یہ ہے کہ دیوبندی مسلک حق سے باوجود دعویٰ دیوبندیت کے انحراف کیا جا رہا ہے۔ دیوبندی حلقہ میں ہی عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر پائے جاتے ہیں جو اس نظریہ کی تبلیغ میں سرگرمی دکھا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس درود و سلام پڑھا جائے تو آپ نہیں سنتے۔ اور بعض غالی یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس درود و سلام سننے کا عقیدہ رکھے وہ نعوذ باللہ مشرک ہے۔ العیاذ باللہ حالانکہ حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عندالقبر سماع پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ اور اس میں حامیانِ یزید نمودار ہو رہے ہیں۔

موجودہ انتشار کے سدباب کا یہی واحد راستہ ہے کہ اکابر دیوبند کی علمی اور اعتقادی

دستاویز "المہند علی المفند" پر اتفاق کیا جائے اور یزید کے بارے میں حضرات محققین دیوبند اور جمہور اہل سنت کے موقف کی حمایت و حفاظت کی جائے اور جو لوگ (علماء ہوں یا غیر علماء) مسلک اکابر دیوبند کی پیروی نہیں کرتے، مثلاً حیات النبیؐ کا انکار کرتے یا یزید کی حمایت کرتے ہیں تو ان سے انقطاع کر لیا جائے۔ اسی طرح جو افراد یا جماعتیں حضرات خلفائے راشدین، امہات المومنین، اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں (سوائے چند صحابہ کے باقی سب کے ایمان کا انکار کرتے ہیں یا تنقید و جرح سے ان کی دینی عظمتوں کو مجروح کرتے ہیں) اور اہل السنت و الجماعت کے اجماعی مسلک کی پابندی نہیں کرتے ان سے اشتراک و اتحاد بھی مسلک حق کے لئے بہت زیادہ مہلک ہے۔ حق تعالےٰ ہم سب کو مذہب اہل السنّت و الجماعت کی اتباع، خدمت اور نصرت کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائیں آمین بجاہ امام الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال ، امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
۲۴ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ ۲۰ اپریل ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی الہٖ واصحابہٖ والذین اوفوا عہدہٗ، اما بعد۔

یہ زیرِ نظر رسالہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ (م ۱۲۹۷ھ) کے مجموعہ مکتوبات مسمّٰی بہ "قاسم العلوم" میں نواںؑ مکتوب ہے یہ مکتوب مولانا فخر الحسن صاحبؒ گنگوہی کے نام ہے۔ ان کا تعارف انوار النجوم میں کرایا جاچکا ہے لہٰذا یہاں ان کے تعارف کی ضرورت نہیں علاوہ ازیں ہم نے اپنی مصنفہ کتاب "انوارِ قاسمی" جلد اوّل میں جو ابھی نومبر ۱۹۷۶ء میں ادارہ سعدیہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں بھی مولانا فخر الحسن صاحب کے حالات پر تفصیل سے بحث کی ہے لہٰذا وہاں بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔

مضمونِ مکتوب

مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے جواب میں اس مکتوب میں سُنّیوں کے قواعد کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر حضرت قاسم العلومؒ نے نہایت مجتہدانہ، عالمانہ، فقیہانہ اور محققانہ بحث کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت مولانا نے جس احتیاط اور اجتہاد سے شہادت امام حسینؓ پر کلام کیا ہے، اس کے بعد کسی کو لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی۔ انہوں نے اس مکتوب کے اوّل میں یہ فرمایا ہے کہ مجتہد ائمہ (امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہما) کی طرح ائمہ اہل بیت بھی اجتہادی

مقام رکھتے تھے۔ یہی مقام امام الشہداء امام حسینؓ کا تھا۔ اور مجتہد ائمہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کے مکلّف ہیں۔ دوسروں کی پیروی اُن کے لیے ضروری نہیں۔ البتہ امام سے اجتہادی غلطی ممکن ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ چونکہ امام حسینؓ خود اہل حل و عقد میں سے تھے، اس لیے اگر دیگر اکابر نے مصلحتاً یزید کی بیعت کر بھی لی تھی، تو حضرت امامؓ پر یزید کی بیعت کرنا لازم نہ تھا۔ لہٰذا جب امام حسینؓ نے یزید کی بیعت ہی نہیں کی تو اس کے خلاف اُٹھنا خروج کیونکر ہُوا۔ جن لوگوں نے حضرت امامؓ کے خروج پر اپنے قلم کا زور صرف کر دیا ہے وہ تحقیق کے مقام سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔

علاوہ ازیں یزید کی بیعت پر اجماع نہ تھا۔ جب تک کسی کے بارے میں اجماع نہ ہو جائے اس وقت تک بیعت نہ کرنے والوں پر الزام عائد نہیں ہوتا۔ ہاں جب کسی کی بیعت کے بارے میں اجماع ثابت ہو جائے تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ اجماع کی پیروی کی جائے۔ نیز اگر اجماع کے منعقد ہونے سے پہلے اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہُوا ہے تو اجماع منعقد ہو جانے کے بعد پہلے سے اختلاف کرنے والا اجماع کے خلاف طعنے کی زد میں نہیں آتا۔ پھر مولانا نے اپنے مقدمات میں یہ بھی ایک اصول پیش کیا ہے کہ مطلقاً خلافت کا منعقد ہونا اور بات ہے اور عام خلافت کا منعقد ہونا اور چیز ہے۔ بیعت کا مطلق انعقاد تو ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ عام انعقاد تمام اہلِ حل و عقد کے متفق ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چونکہ امام حسینؓ نے بیعت نہیں کی لہٰذا تمام اہلِ حل و عقد کا متفق ہونا حاصل نہ ہو سکا۔

پھر اگر خلافت کے تخت پر کوئی فاسق و فاجر چڑھ بیٹھے اور بدعات و معاصی کا بازار گرم ہو جانے یا گرم ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اگر کوئی صاحبِ ہمّت اُٹھ کھڑا ہو، اور اس کو خلافت سے علیحدہ کر دے تو اس میں کسی کو مخالفت کا کیا موقع ہے۔ ہاں اگر فاسق خلیفہ کے اُتار دینے میں فتنۂ عظیم ہو، اور دین اور اہلِ دین کی بے آبروئی

کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر اس وقت عارضی طور پر خموشی کی اجازت ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کو زجر و تنبیہ کی ضرورت ہے۔ ہاں ایسی صورت میں بھی اگر اپنے رفقاء، اعزہ اور اپنی جان پر صدمے کو نظر میں نہ لاتے ہوئے حق کا عَلم بلند کریں تو یہ ہمّت اور اولوالعزمی کی بات ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ افضل جہاد جابر بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ ہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ایک شخص فتنوں کا احساس قوی رکھتا ہے اور فاسق خلیفہ کے مقابلے کی ہمّت نہیں رکھتا، تو ایسے شخص کے لئے نہ کھڑا ہونا ہی مناسب ہے لیکن اگر کوئی شخص نہیں ڈرتا تو اس کے لئے مباح ہے کہ وہ خلیفہ کو تخت سے اُتار پھینکنے کی کوشش کرے۔ بہرحال یہ اپنی اپنی ہمّت کا معاملہ ہے۔

اس بحث کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا ہے کہ خلافت کا اہل ہونے کے لئے اسلام اور قریشیت کافی ہے لیکن صحیح معنی میں خلیفہ ہونے کے لئے کثرت علم، عملِ صالح، حُسنِ تدبّر، ہمت اور ترکِ دنیا کی ضرورت ہے۔ ایسے خلیفہ سے سرکشی سخت ممنوع ہے۔ یزید میں عملِ صالح اور ترکِ دنیا کا فقدان تھا۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد کیوں بنایا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس وقت وہ ایسا نہ تھا، یا تھا تو اُن کے علم میں اس کا فسق نہ آیا تھا۔ علاوہ ازیں امیر معاویہؓ کا نظریہ خلیفہ کے بارے میں یہ تھا کہ انتظامِ ملکی میں اگر کسی کو سلیقہ زیادہ ہو، تو وہ اس پاک باز سے خلافت کا زیادہ اہل ہے جو انتظام کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ اس لئے انہوں نے یزید کو ولی عہد بنا دیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہ وارد ہوتا ہے کہ یزید کو ولیعہد بنا کر افضلیت کو پسِ پُشت ڈال دیا گیا۔ اور افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید نے پر پُرزے نکالے، اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت اہلِ حل و عقد کی رائے مختلف ہو گئی جس کسی کو فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آیا، اُس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور جن

حضرات نے ایک بڑی جماعت کے وعدے پر غلبہ کی اُمید رکھی مثلاً امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے، تو وہ جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے درست کیا اور اس اختلاف کی بنیاد صرف غلبہ اور عدمِ غلبہ پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے پر۔ اتّفاق سے حضرت امام حسینؓ کی تدبیر فیل ہو گئی۔ اور ایسا جنگوں میں ہوا ہی کرتا ہے۔ جیسا کہ جنگِ اُحد اور جنگِ حنین میں مسلمانوں کو عارضی ابتری پیش آئی تھی۔ ان دونوں جنگوں میں جو صحابہؓ مارے گئے وہ یقیناً شہید ہوئے کہ انکی نیت اچھی تھی۔

شہادت کی پہلی وجہ اسی طرح حضرت امام حسینؓ کی نیّت بھی ایک فاسق کو خلافت سے علیحدہ کرنے کی تھی جو صالح نیت تھی۔ لہٰذا اس صورت میں اگر وہ مارے گئے تو شہید ہوئے کیونکہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔

شہادت کی دوسری وجہ اور اگر پہلی وجہ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو میدانِ کربلا میں امام مظلوم نے جنگ سے گریز کر کے واپس جانے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن یزید کے لشکر اور سپاہیوں نے انہیں نہیں چھوڑا، اور گھیر کر شہید کر دیا۔ اور وہ اس حدیث کے مطابق شہید ہو گئے :

من قتل دون عرضہ ومالہ فھو شھید۔	جو اپنی عزّت اور مال بچانے کے لئے قتل کیا گیا تو وہ شہید ہے۔

در تحقیق و اثباتِ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ
موافق قواعدِ سُنّیاں

سُنّیوں کے اصول کے مطابق حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے اثبات اور تحقیق میں

بجواب خط

مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ مدرّس مدرسہ دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله ربّ العٰلمین والصلوٰة والسّلام علیٰ سیّد المرسلین سیّدنا محمّد وآله وصحبه اجمعین بعد حمد وصلوٰة اوّل مقدمات چند مینویسم کہ ثبوت مدّعا ووضوح آں بے آں مقدمات دشوار ست۔ آں مقدمات این ست :	تمام تعریفیں جہانوں کے پروردگار کے لئے ہیں اور درود وسلام رسولوں کے سردار ہمارے آقا محمدؐ اور ان کی اولاد اور اصحاب سب پر ہو۔ خدا کی تعریف اور رسولؐ پر درود کے بعد، پہلے مَیں چند تمہیدیں لکھتا ہوں کہ مدّعا کا ثبوت اور اس کی وضاحت ان تمہیدوں کے بغیر مشکل ہے اور وہ مقدمات یہ ہیں :
مقدّمات	**مقدمات**
مقدمہ اوّل اوّل آنکہ حضرت امام	**پہلا مقدمہ** اوّل یہ ہے کہ حضرت

حسینؓ و دیگر ائمہ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نزد اہلِ سنّت مثل دیگر ائمہ مجتہدین امام و مجتہد اند کہ خطا اجتہادی از وشان ممکن۔ عقیدہ ما مثل شیعہ آں نیست کہ امام را خطا محال و غلطی از اں ممتنع باشد۔ ہر چند دریں مقام ہمیں قدر کافی ست چہ مقام، مقام جواب ست بیان اصول خود بس ست۔ عرض دلیل ضرور نیست۔ زیرا کہ اعتراض از طرف شیعیان ست و اعتراض بر کسے ہمیں ست کہ معارض مذہب و اصول مذہب او اثبات کردہ آید۔ پس اگر گوئیم کہ مذہب ما ایں نیست کہ مے گویند۔ مذہبِ ما دیگر ست، کفایت میکند۔ ایراد دلیل دریں مقام ضرور نخواہد بود۔ اما تاہم اشارہ اجمالی بایں طرف ہم کردہ میروم تا ناظرِ مناظرِ طالبِ حق را از ما ہدایتے باشد و بر متعصب اعتراض و نکایتے۔ در قصہ اُساریٔ بدر معلوم باشد کہ راے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم چہ بود و از حضرتِ خداوندی چہ خطاب آمد۔ و در قصہ نفش غنم معلوم باشد

امام حسینؓ اور دوسرے اہلِ بیت کے امام، اللہ کی ان سب پر رضامندی ہو، اہلِ سنّت کے نزدیک دوسرے مجتہد اماموں (امام ابو حنیفہؒ وغیرہ) کی طرح امام اور مجتہد ہیں کہ اجتہادی غلطی ان سے ممکن ہے۔ ہمارا عقیدہ شیعوں کی طرح یہ نہیں ہے کہ امام سے بھول چوک محال اور غلطی ناممکن ہے۔ ہر چند کہ اس مقام پر اسی قدر لکھنا کافی ہے کیونکہ یہ مقام، جواب کا مقام ہے۔ اپنے اصول کا لکھ دینا کافی ہے دلیل کا پیش کر دینا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اعتراض شیعوں کی طرف سے ہے اور کسی پر اعتراض یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے مذہب اور اصولِ مذہب کے خلاف کسی بات کو پیش کر دیا جائے، جو اس کے معارض ہو۔ پس اگر ہم کہیں کہ ہمارا مذہب یہ نہیں ہے کہ لوگ کہتے ہیں ہمارا مذہب اور ہے تو اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ اس مقام پر دلیل کا لانا ضروری نہ ہوگا۔ تاہم اجمالی اشارہ اس طرف بھی کر کے میں آگے روانہ ہوتا ہوں تاکہ غور و فکر کرنے والے حق کے طلب گار مناظر کو ہماری طرف سے کوئی ہدایت حاصل ہو جائے اور متعصب پر اعتراض اور الزام عائد ہو جائے

کہ رای حضرت داؤد علیہ السلام چہ بود وَ فَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ چہ ارشاد فرمود۔ پس چوں حالِ انبیاء علیہم السلام در اجتہاد ایں است، حالِ دیگر مجتہداں چہ باشد۔ پس چگونہ

بدر کے قیدیوں کے قضیے میں معلوم ہونا چاہیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کیا تھا اور حضرت خدا[2] کی طرف سے کیا فرمایا گیا۔ اور بکریوں کے جھگڑے[3] میں معلوم ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی رائے کیا تھی "اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا"۔

---

[2] غزوہ بدر ۲ھ میں ستر کافر پکڑے ہوئے آئے۔ آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ بعض نے قتل کا مشورہ دیا۔ بعض نے کچھ مال لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ حضورؐ نے بھی رحم دلی کی وجہ سے اسی رائے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ عقبہ، نضر اور طعمہ تو قتل کئے گئے۔ باقی سب قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا گیا۔ البتہ حضرت ابو العاصؓ کو کچھ لئے بغیر صحابہؓ کی رائے سے چھوڑ دیا گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ط تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ق صلے وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ یعنی نبی کے شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں جبتک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں اور اللہ غالب حکمت والے ہیں۔ (سورہ انفال۔ پارہ ۱۰ رکوع ۹)۔

[3] ایک کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں جا پہنچیں اور انہوں نے کھیت کھا لیا۔ داؤد علیہ السلام نے کھیت کی لاگت اور بکریوں کی قیمت کو برابر پاکر بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ کر دیا جو شرع کے مطابق تھا لیکن چونکہ اس میں بکریوں والوں کا بالکل ہی نقصان تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے دونوں کی رضامندی سے یہ فیصلہ کر دیا کہ چند روز کے لئے بکریاں کھیت والے کو دی جائیں کہ گذارہ کرے۔ اور بکریوں والوں کے کھیت سپرد کیا کہ آبپاشی کریں۔ جب کھیت پہلی حالت کو آ گیا، تو بکریاں مالکوں کو واپس ہوئیں اور کھیت والے کو کھیت دے دیا۔ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ج وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ○ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ج (سورہ انبیاء۔ رکوع ۶)

نگویند کہ
"اَلمُجتَہِدُ یُخطِیُ وَ یُصِیبُ"

میں کیا حکم فرمایا۔ پس جب انبیاء علیہم السلام کا حال اجتہاد میں یہ ہے تو دوسرے مجتہدوں کا کیا ہوگا۔ اس لئے کیوں نہ یہ کہیں کہ — "مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور ٹھیک فیصلہ بھی کرتا ہے"۔

مقدمۂ دوم

۲ دویم آنکہ مجتہدان مامور باتباع اجتہاد خویشتن اند، اتباعِ مجتہدان دیگر روا نیست ورنہ ازیں چہ کم کہ اتباعِ دیگراں ضرور نیست۔

دوسرا مقدمہ

۲ دوسری بات یہ ہے کہ مجتہد ائمہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے پر حکم دیئے گئے ہیں۔ ان کے لئے دوسرے اماموں کی پیروی درست نہیں ہے، ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ دوسروں کی پیروی ضروری نہیں ہے۔

مقدمۂ سوم۔ در حقیقتِ اجماع؛

۳ سویم آنکہ حقیقۃ اجماع این ست کہ ہمہ اہلِ رای یک عصر یا زیادہ در امری باین طور رای زنند کہ این امر بفلاں فلاں وجوہ چنیں ست یا چناں نہ فقط عدمِ مخالفت چنانچہ جملہ

ما راہ المؤمنون حسنا
فہو عند اللہ حسن۔

یکی از ماخذہای حجیۃ اجماع ست۔ بر ہمیں امر دلالۃ مے کند چہ رویۃ دریں جملہ رویت قلبی ست نہ رویت بصری۔ و رویت قلبی ہمیں طور

تیسرا مقدمہ۔ اجماع کے متعلق:

تیسری بات یہ ہے کہ اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دَور یا زیادہ کے تمام اہلِ رائے کسی معاملے میں اس طرح رائے دیں کہ یہ امر فلاں فلاں دلائل کی بنا پر اس طرح یا اُس طرح ہے۔ صرف مخالفت نہ کرنا اجماع نہیں کہلا سکتا۔ چنانچہ یہ جملہ کہ

"جس امر کو مومنین اچھا سمجھیں تو وہ
اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے"۔

جو اجماع کے حجت ہونے کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے وہ بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس جملہ میں دیکھنے سے دل کا دیکھنا مراد ہے نہ کہ آنکھ کا دیکھنا۔

می باشد کہ عرض کردہ شد۔ پس اگر یک دو کس از علماء ذی رای بامری رفتند و دیگران مساہلۃ کردند، و بی آنکہ خود ہم دراں امر بطور مذکور نگرند اتباع اوشاں اختیار فرمودند لازم یا خود اہل رای نبودند و مقلدانہ پی رو، اوشاں شدند ایں را اجماع نباید گفت۔ و ہمچنیں اگر شخصی یا جماعتی برامری بی تنقیح وجوہِ حلت و حُرمت اصطلاح کردند چنانکہ در رسوم می باشد اجماع نخواہد بود۔

اور دل کا دیکھنا اسی طریقے سے ہوتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ پس اگر صاحب رائے علماء میں سے ایک دو عالم کسی بات کی طرف گئے اور دوسروں نے سستی اختیار کی اور خود بھی اس کے بغیر کہ اس معاملے میں مذکورہ طریقے سے غور کریں، ان کا اتباع اختیار کیا یا خود صاحب رائے نہ تھے اور تقلیدی طور پر ان کے پیرو بن گئے تو اس کو اجماع نہ کہنا چاہیئے۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص یا کسی جماعت نے کسی امر میں حلال اور حرام ہونے کی وجوہات کی تنقیح کئے بغیر اصطلاح بنالی جیسا کہ (شادی بیاہ کی) رسموں میں ہوتا ہے تو وہ اجماع نہ ہوگا۔

مقدمۂ چہارم چہارم آنکہ اتباع اجماع مذکور ہم ست بعد تحقق اجماع لازم اگر مسئلہ قبل تحقق و انعقاد اجماع مختلف فیہ باشد کسانیکہ پیشتر از انعقاد اجماع مخالف اجماع کار کردہ اند، اوشاں موردِ طعن مخالفۃ اجماع نخواہند شد۔

چوتھا مقدمہ چوتھا مقدمہ یہ کہ اجماع مذکور کی پیروی اجماع کے ثابت ہو جانے کے بعد ہی ضروری ہے۔ اگر کوئی مسئلہ اجماع کے متحقق اور منعقد ہونے سے پہلے اختلافی ہوگا، تو وہ لوگ جنہوں نے اجماع کے منعقد ہونے سے پہلے، بعد میں منعقد ہونے والے اجماع کے مخالف کام کیا ہے تو وہ لوگ اجماع کی مخالفت کے طعنے میں نہیں آئیں گے۔

مقدمۂ پنجم پنجم آنکہ انعقاد مطلق خلافت چیزی دیگر ست و عمومِ خلافت چیزی

پانچواں مقدمہ پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ مطلق خلافت کا منعقد ہونا دوسری چیز

دیگر۔ توضیحش این ست کہ

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ - (حدیث)

پس بیعتِ ہر رائی مستلزم انعقاد بیعت در حقِ رعیت اوست و ہمین ست معنی وجوب و لزوم بیعت اہل حل وعقد۔ پس بیعت حضرت ابنِ عمرؓ مثلاً مستلزم وجوبِ اطاعت در حقِ حشم و خدم و اتباعِ اوشاں ست از ملازمین و موالی و اولاد وغیرہمؑ نہ در حق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و اتباعِ اوشاں و آنکہ گفتہ اند کہ عددِ معین در بارۂ اہلِ حل وعقد مشروط نیست بنایش برین ست کہ وجود اہلِ حل وعقد را قاعدہ معین نیست۔ باعتبار اتفاق کلمہ و تفرقِ کلمہ اہل حل وعقد قلیل و کثیر می شوند۔ نہ آنکہ برای عموم انعقاد کیف ما اتفق بیعۃ یک دو کس از اہل حل وعقد کافی ست

ہے اور عام خلافت کا ہونا دوسری چیز۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ

"تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ہے۔

اس لئے ہر سردار کا بیعت کرنا اسی کی رعایا کے حق میں بیعت منعقد ہو جانے کا موجب ہے، اور یہی معنی ہیں اہل حل وعقد کے بیعت کے واجب ہونے کے۔ پس مثال کے طور پر ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت کرنا ان کے نوکر چاکر اور ان کے متبعین کے حق میں بھی اطاعت کا موجب ہے۔ جن میں ملازمین، غلام اور اولاد وغیرہم شامل ہیں۔ لیکن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تابع لوگوں کے اوپر واجب نہیں ہے اور علما نے یہ جو کہا ہے کہ اہل حل وعقد کے بارے میں کسی معین عدد کی شرط نہیں ہے اس کی بنیاد اسی پر ہے کہ اہل حل وعقد کے وجود کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے بلکہ اتفاق اور اختلافِ کلمہ کے اعتبار سے اہل حل وعقد میں سے کم اور زیادہ ہو سکتے ہیں اور یہ بات نہیں ہے کہ عام بیعت منعقد ہونے کیلئے حسب الاتفاق اہلِ حل وعقد

میں سے ایک دو آدمیوں کی بیعت کر لینا کافی ہے۔

مثلاً در زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلافتِ خلفاء ثلثہ رضؓ مصداق اہل حل وعقد یک کس بیش نبود۔ مرادم اینست کہ صلح و جنگ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، صلح و جنگ ہمہ اہلِ اسلام بود و ہمچنیں صلح و جنگِ خلفاء بعد اتفاق مردم بر خلافتِ ایشاں صلح و جنگ جملہ رعیت بود و پس ازاں کہ ایں اتحاد مبدل بافتراق شد و جماعتہائے جدا جدا پیدا شدند اہل حل وعقد کثیر شدند۔ سر حلقہ ہر جماعتی مصداق مفہوم اہل حل وعقد بود۔ دریں وقت بیعت یک کس از اہل حل وعقد موجب انعقاد مطلق خلافت خواہد بود۔ کسانیکہ از اتباعِ آنکس اند اتباع خلیفہ بر ایشاں لازم ست اما دیگراں و اتباعِ دیگراں یا کسانیکہ نہ در عیر کسی اند و نہ در نفیر کسی از ایں لزوم و وجوب مرفوع القلم اند۔ ہاں اگر ہمہ اہلِ حل وعقد دستِ ارادت و کفِ بیعت بدست یکی از اہلِ اسلام دہند

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں خلفاءؓ کی خلافت کے زمانے میں اہل حل وعقد کا مصداق ایک شخص سے زیادہ نہ تھا میرا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح اور جنگ، تمام مسلمانوں کی صلح و جنگ تھی اور اسی طرح آپ کے خلفاء کی صلح و جنگ انکی خلافت پر تمام کے متفق ہو جانے کے بعد، تمام رعایا کی صلح و جنگ تھی اور اس کے بعد کہ یہ اتحاد (چوتھے خلیفہ کے زمانے میں) نااتفاقی میں بدل گیا اور جماعتیں جدا جدا پیدا ہو گئیں تو اہل حل وعقد بھی بہت ہو گئے۔ ہر جماعت کا سردار اہل حل وعقد کے مفہوم کا مصداق بن گیا۔ اس وقت اہلِ حل وعقد میں سے ایک شخص کی بیعت مطلق خلافت کے منعقد ہونے کا سبب ہو گی (نہ کہ عام خلافت کے منعقد ہونے کا) جو لوگ اس کے پیرو ہوئے خلیفہ کا اتباع ان پر لازم ہو گا لیکن دوسرے اہلِ حل وعقد اور ان کے پیرو یا وہ لوگ جو نہ کسی جماعت میں ہیں اور نہ کسی کی پارٹی میں ہیں، وہ لوگ اس بیعت کے لازم اور واجب ہونے سے آزاد ہوں گے۔ ہاں اگر تمام اہل حل وعقد بیعت

همہ کس را از اہل اسلام خواہ از اتباع کسی باشند یا نی اطاعت آن کس لازم و واجب خواہد بود۔ واگر قدری چشم پوشیم زیادہ ازیں مجالِ گفتن نیست کہ بی سران خودسر روان بی سرور را غاشیہ برداریش و حلقہ بگوشیش درگوش لازم آید۔ اما باقیان از اہل حل و عقد ہرگونہ ازیں اطاعت درکنار اند۔ آری اگر شخصے نکتہ دنیوی چنان داشتہ باشد کہ لشکری تابع فرمان ہمعنان دارد اما در علم و عمل ہم سنگ دیگران نیست و دیگران کہ از علم و عمل بہرہ وافر دارند ہمہ یکجان و یکعنان شوند و دست بدست کسی نہند، آن وقت شخص مذکور و واتباعش را نیز اتباع و اقتدایِ اوشان لازم خواہد افتاد چہ اوشان حسبِ اشاراتِ ربّانی و ہم کنایاتِ نبوی ﷺ واجب الاطاعت اند و اہلِ حل و عقد در حق او آیۃ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

اور ارادت کا ہاتھ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں دے دیں تو تمام مسلمانوں کو خواہ کسی کے تابع ہوں یا نہ ہوں، اس شخص کی فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہو جائے گی۔ اور اگر ہم کچھ چشم پوشی کریں تو اس سے زیادہ کہنے کا موقع نہیں ہے کہ خودسر جن کا کوئی سردار نہ ہو اور بغیر سردار کے اپنی راہ چلنے والے لوگوں کو اس کی پیروی اور فرمانبرداری ضروری ہو گی لیکن باقی اہل حل و عقد اس قسم کی ہر ایک اطاعت سے جدا ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسی دنیوی مرکزیت رکھتا ہو کہ وہ اپنے ساتھ کوئی وفادار لشکر رکھتا ہو لیکن علم و عمل میں دوسروں کے برابر نہیں ہے اور دوسرے جو کہ علم و عمل سے کافی حصہ رکھتے ہیں تمام کے تمام متفق ہو جائیں اور کسی کی امارت قبول کر لیں، اس وقت مذکورہ دنیوی شخص کو اور اس کے پیچھے چلنے والوں کو اس کی پیروی ضروری ہو جائے گی کیونکہ وہ لوگ اللہ کے احکام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق واجب الاطاعت ہیں اور اہلِ حل و عقد اس کے حق میں۔ آیۃ

ان میں[1] سے ہر جماعت میں سے ایک گروہ

---

[1] یہ آیت یعنی لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ الخ پارہ ۱۱ سورۂ توبہ رکوع ۱۵ میں ہے مترجم

مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ○ و نیز جمله أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ اگر انصاف باشد وجوب اطاعت اینچنین کسان دلالتِ واضحه دارد۔

اگر ضیق وقت مانع و خروجِ این بحث از مبحث مزاحم حال نبودی درین باره نقشبندیها میکردم با اینهمه اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ، اینقدر که گفته شد بهر رهنمائی کافی ست۔ و این نکتۂ اخیره دفع دخل مقدر ست که شاید بر زبان کسے آید۔ بالجمله مطلق انعقاد بیعت بیکدو کس حاصل مے شود و عموم و شمول انعقاد بی اتفاق جمله اهل حل و عقد متصور نیست۔ هاں اگر حل و عقد در یک کس منحصر گردد آں وقت عموم

کیوں نہیں سفر کرتا تاکہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ اور اپنی قوم کو جب اُن کی طرف واپس آئیں، ڈرائیں، تاکہ وہ حذر کریں"۔ اور نیز آیت[1] "اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو تم رسولؐ کی، اور تم میں سے جو حاکم ہوں" اس طرح کے لوگوں کی اطاعت پر واضح دلالت کرتی ہے بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے۔

اگر وقت کی تنگی مانع نہ ہوتی اور اس بحث کا موضوع سے نکل جانے کا معاملہ موجودہ حالت کے درمیان رکاوٹ نہ بنتا تو اس بارے میں قلم سے پھول بوٹے نکالتا۔ اس کے باوجود "عقلمند آدمی کیلئے اشارہ کافی ہوتا ہے" کے مطابق جو کچھ کہ کہا گیا رہنمائی کیلئے کافی ہے اور یہ آخری نکتہ ایک پیدا ہونے والے اعتراض کی پہلے ہی سے پیشبندی کیلئے ہے کہ شاید کسی کی زبان پر یہ بات آجائے۔ بالجملہ بیعت کا مطلق انعقاد تو ایک دو آدمیوں کی بیعت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عام انعقاد تمام اہل حل و عقد کے متفق ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔

---

[1] پوری آیت اس طرح ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ (پارہ ع۵ سورۂ نساء۔ رکوع ع۸)

خلافت بیک کس نیز حاصل میتواں شد۔

ہاں اگر اہل حل وعقد کی اہلیت ایک ہی شخص میں منحصر ہو جائے تو اس وقت خلافت کا عام ہونا ایک شخص کے ذریعے سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

وآنچہ در شرح مقاصد ست :

اور وہ جو کہ شرح مقاصد میں ہے (کہ) :

وتنعقد الامامة بطرق احدها بيعة اهل الحل والعقد الى ان قال بل لو تعلق الحل والعقد بواحد مطاع كفت بيعته -

اور امامت کئی طریقوں سے منعقد ہو جاتی ہے ان میں سے ایک طریقہ اہل حل وعقد کی بیعت کر لینا ہے یہاں تک کہ پھر مصنّف شرح مقاصد نے کہا" بلکہ اگر کسی ایک ہی واجب الاطاعت سے حل وعقد وابستہ ہو جائے تو اسی ایک کی بیعت کر لینا کافی ہے۔

بعد ازاں گفتہ

اس کے بعد صاحب شرح مقاصد نے کہا :

و الثانی استخلاف الامام الخ اگر طرق مطلق انعقاد باشند معنی آنست کہ برای مطلق انعقاد بیعۃ یک دو کس وہم استخلاف وہم قہر و شوکۃ کافی ست لیکن در مطلق انعقاد عموم انعقاد لازم نمی آید تا حضرت امام را اطاعت یزید لازم و خروج بر آں حرام گردد۔ واگر طرق انعقاد مطلق اعنی عموم و شمول خلافت اند و صحیح ہمیں ست و معنی آں ست کہ اہل حل و عقد در

اور دوسرا طریقہ انعقادِ امامت کا استخلافِ امام ہے الخ۔ اگر یہ طریقے مطلق انعقادِ امامت کے طریقے ہوں تو یہ معنی ہیں کہ مطلق انعقاد کے لئے ایک دو آدمیوں کی بیعت اور نیز استخلاف اور غلبہ اور شوکت کافی ہے لیکن مطلق انعقاد سے انعقاد کا عام ہونا لازم نہیں آتا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کو یزید کی اطاعت لازم ہو، اور اس کے خلاف اُٹھنا حرام ہو، اور اگر یہ طریقے کامل انعقاد یعنی خلافت کے عام اور شامل ہونے کے طریقے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے تو معنی یہ ہونگے کہ اگر اہلِ حل وعقد فقط

یک دو کس منحصر ست اوشان کافی اند- زیرا که عددی برائے اہلِ حل و عقد معین نیست- لیکن اندریں صورت ہم حضرت امام را اطاعتِ یزید ضرور نیست زیرا که خلافت بی اجتماع جملہ اہل حل و عقد متصور نیست- چوں حضرت امام بیعت نکردند اتفاق جملہ میسر نیامد- بالجملہ اندریں صورت ہمہ اہل حل و عقد پابند دو باشند یا چار- ہاں عددی برای اوشاں معین نیست-

مقدمۂ ششم ششم[1] آنکه خروج چیزی دیگر ست و خلع بیعت چیزی دیگر- چنانچہ نقض عہد چیزے دیگر ست و منابذۂ عہد چیزی دیگر- اوّل بحکم "اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" "وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" ممنوع ست- وثانی

ایک دو شخص ہیں تو وہی کافی ہیں کیونکہ اہلِ حل و عقد کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں ہے، لیکن اس صورت میں بھی حضرت امام حسینؓ کو یزید کی اطاعت ضروری نہیں ہو جاتی کیونکہ عام خلافت تمام اہل حل و عقد کے بغیر ممکن نہیں ہے- چونکہ حضرت امام حسینؓ نے بیعت نہیں کی، اس لئے سب اہل حل و عقد کا متفق ہونا حاصل نہ ہو سکا- اس لئے اس صورت میں تمام اہلِ حل و عقد دو کے پابند ہونگے یا چار کے- ہاں ان کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں ہے-

چھٹا مقدمہ چھٹے یہ کہ کسی خلیفہ کے خلاف بغاوت اور چیز ہے اور بیعت توڑ دینا دوسری بات ہے- چنانچہ عہد شکنی کرنا دوسری چیز ہے اور معاہدے کو ختم کر دینا اور بات ہے، اوّل یعنی عہد توڑنا تو وہ "عہد[1] کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا" اور "قسموں[2] کو ان کی تاکید کے بعد مت توڑو" کے حکم کے مطابق ناجائز ہے-

---

[1] وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (پارہ ۱۵- سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸)

[2] وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (سورہ نحل- رکوع ۱۳)

بارشاد "فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ" مباح ۔ ہمچنیں خروج بر امام بعد بیعت ممنوع بالذات ست ۔ وخلع بیعت وقتِ ضرورۃ بذاتِ خود مباح ۔ اگر فاسقی سریر آرائے خلافت باشد تعطّل حقوق و صدورِ مظالم و توانی عوام در احکام و شیوع بدعات در جاہلاں مظنون بلکہ ضروری الوقوع ست ۔ دریں وقتِ ضرورۃ اگر صاحب ہمّتی برخیزد و دست بداماں خلیفہ آویزد و از سریر خلافتش برکشد و دست بدستِ عادلی زند، عاقلی را نمیدانم کہ رو ترش کند و چیں برجبیں افگند و آواز انکار بریں کار برآرد ۔ ہاں اگر دریں عزل و

اور عہد کو منہ[1] پر مارنا ۔ "تو برابری کے طور پر ان کی طرف عہد کو پھینک دو" کے ارشادِ باری کے مطابق مباح ہے ۔ اسی طرح امام کے خلاف بغاوت بیعت کرنے کے بعد از خود ناجائز ہے اور بیعت سے ضرورت کے وقت بری ہو جانا اپنی جگہ مباح ہے ۔ اگر کوئی فاسق خلافت کے تخت پر چڑھ بیٹھے گا تو حقوق کا ضائع ہونا ۔ مظالم کا صادر ہونا ۔ عوام کا احکامِ الٰہی میں سست پڑ جانا ۔ جاہلوں میں بدعت کا شائع ہو جانا گمان کیا جا سکتا ہے بلکہ ان امور کا واقع ہونا لازمی بات ہے ۔ اس وقت ضرورت کی وجہ سے اگر کوئی ہمت والا شخص اٹھ کھڑا ہو اور خلیفہ کے دامن کو پکڑے جو اس کو خلافت کے تخت سے اتار پھینکے اور کسی منصف آدمی کے ہاتھ پر بیعت کرے تو میں کسی عقلمند کو ایسا نہیں

---

[1] پوری آیت یہ ہے ۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۔ اور اگر آپ کو کسی قوم سے دغا کا ڈر ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں ۔ ایسی طرح کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں ۔ بے شک اللہ تعالےٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قوم میں ایسے آثار پائے جائیں کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہیں تو آپ کو اجازت ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں ۔ اور معاہدے کی دست برداری سے ان کو مطلع کر دیں ۔ تاکہ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ ہو جائیں ۔ (سورۃ انفال ۔ رکوع ۷ پارہ ۱۰) ۔

نصب فتنہ برخیزد و آبروی دین و اہلِ دین ریزد البتہ ممانعت عرضی عارض حال این فعال خواہد شد۔ پس بقدر مفاسد، انکار و انزجار ضروری ست۔ اگر برہمی دین منظر آید یا پریشانی اہلِ دین مظنون بود، نشاید کہ پیرامون این کار گردند۔ و اگر فقط صدمہ بر جان و مال خود یا اتباع یک جان خود افتاد، ببینند این خود از عزائم ست۔ منشا، این عزیمت ہمان ست، کہ از اعظم شہادۃ کلمۂ حق عند سلطان جائر او کما قال فہمید باشی۔ مگر دانی کہ اندیشۂ فتنہ و فساد چنانچہ باعتبار وقائع مختلف است ہمچنین باعتبار اندیشہ کنان مختلف است یکی را در یک واقعہ اندیشہا بر روی کار می آیند و ہمت را می گزایند و یکے را امید ہا کارے فرمایند و ہمتش را می افزایند۔ پس اگر شخصے از اقامت

پاتا کہ وہ ترش رو ہو اور اسکی پیشانی پر بل پڑ جائیں اور ایسا کرنے پر مخالفت کی آواز بلند کرے۔ ہاں اگر اس فاسق خلیفہ کے اُتارنے اور دوسرے کو مقرر کرنے میں فتنہ پیدا ہو جائے، اور دین اور اہلِ دین کی بے آبروئی ہو، تو عارضی طور پر ایسا کرنے والے کیلئے ممانعت پیدا ہو جائیگی۔ اسلئے فسادات کی مقدار کے مطابق تنبیہ اور زجر ضروری ہے۔ اگر دین کا شیرازہ منتشر ہوتا نظر آئے یا اہلِ دین کی پریشانی کا گمان غالب ہو تو اسکے خلاف اُٹھنا لائق نہیں کہ اس کام کے قریب بھی پھٹکیں اور اگر کوئی صدمہ اپنی جان یا مال یا اپنے موافقین فرمانبرداروں پر واقع ہوتا دیکھیں تو یہ ہمت کا کام ہے۔ اس اولوالعزمی کا مقصد وہی ہے جیسا کہ جابر بادشاہ[لہ] کے سامنے حق کا کلمہ کہنا بڑی شہادت ہے کی حدیث سے تم نے سمجھا ہوگا۔ مگر تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ و فساد کا اندیشہ جیسا کہ واقعات کے اعتبار سے مختلف ہے اسی طرح اندیشہ کرنے والوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہوا کرتا ہے۔ ایک شخص کو ایک واقعے میں کتنے ہی خطرے محسوس ہوتے ہیں اور ہمت کو توڑ

[لہ] وَاَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (حدیث)
افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ (مترجم)

فاسقے از مسندِ خلافت از فتنہا بترسد و دیگرے امید دریں عزل و نصب دارد آں را ممنوع و ایں را مباح خواہد بود۔ باقی ایں قصہ را خدا داند کہ رای کدام بر صواب ست و کدام بر خطا۔" المجتہد یخطی و یصیب۔

در اہلیت و لیاقتِ خلافت

ہفتم اینکہ اہلیۃ و لیاقت خلافت بدو گونہ ست۔

یکے آنکہ تفویضِ خلافت باو روا بود و بس ایں قدر لیاقت فقط باسلام و قریشیتہ بہم میرسد و صلاح و تقوی درینقدر بکار نیست۔

دویم آنکہ خلعتِ خلافت بر بالای حال او راست اید۔ اعنی تمکین دین از دست او مظنون بود۔ ایں قسمِ لیاقت بے علمِ وافر و عملِ صالح و حسنِ تدبیر و ہمتہ بلند و ترکِ دنیا میسّر نمی‌تواں شد۔ پس

دیتے ہیں اور ایک شخص کیلئے امید افزا ہوتے ہیں اور اسکی ہمّت کو بڑھاتے ہیں پس اگر کوئی شخص کسی فاسق کو تخت سے اُتارنے میں فتنوں سے ڈرتا ہے اور دوسرا اس کو اُتارنے اور دوسرے کو خلیفہ بنانے میں امید رکھتا ہے، تو ڈرنے والے کیلئے ممنوع اور نہ ڈرنے والے کیلئے مباح ہوگا۔ باقی اس قصے کو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی رائے ٹھیک ہے اور کس کی غلط کیونکہ مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی۔

خلافت کی لیاقت اور اہلیت کے بارے میں

ساتویں بات یہ ہے کہ خلافت کی لیاقت و اہلیت دو قسم کی ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ خلافت کی سپردگی اس شخص کے لئے فقط جائز ہو۔ اتنی لیاقت صرف اسلام اور قریشیت سے حاصل ہو جاتی ہے اور نیکی اور پرہیزگاری کی اس میں چنداں ضرورت نہیں۔

دوسرے یہ کہ خلافت کا لباس اس کے قد پر فِٹ آجائے۔ میرا مطلب ہے کہ دین کا اقتدار اس کے ہاتھوں اغلب ہو تو اس قسم کی لیاقت کثرتِ علم، عملِ صالح اور حسنِ تدبیر، ہمت بلند اور ترک دنیا کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے

آنچہ در احادیثِ نسائیؒ مروی ست کہ:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم علی السمع والطاعة فی الیسر والعسر والمنشط والمکرہ وان لا ننازع الامر اھلہ وان نقول او نقوم بالحق حیث ما کنا لا نخاف لومة لائم۔

نظر برہمیں اہلیۃ ثانیہ ست کہ از منازعت امر باوجود آں اہلیۃ منع فرمودہ اند۔

دلیل اوّل و دلیلش اوّل ہمیں حدیث ست چہ جملہ اخیرہ اعنی ان نقول او نقوم بالحق الخ خود بریں قدر دلالۃ واضحہ دارد کہ اگر خلیفۂ وقت فاسق بود دادِ حق باید داد۔ و ایں امر بدرجۂ اتم ہماں وقت ظہور کند کہ خلعِ بیعت تواں کرد۔

دلیل دوم دوم[2] آنکہ در اقامت

جو کچھ کہ نسائیؒ کی حدیثوں میں روایت کیا گیا ہے کہ:

"ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگی اور فراخی، سُکھ اور دُکھ میں مطیع و فرمانبردار رہنے کی بیعت کی اور یہ کہ ہم اہلِ امر سے کسی امر میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ اور یہ کہ ہم حق کہیں گے، اور حق پر قائم رہیں گے۔ ہم جس حال میں بھی ہوں گے ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔"

اسی دوسری اہلیتِ خلافت پر نظر رکھتے ہوئے ہے کہ کسی امر میں جھگڑنے سے اس کی اہلیت کے باوجود منع فرمایا ہے۔

دلیل اوّل اور اسکی دلیل اوّل تو یہی حدیث ہے کیونکہ آخری جملہ میری مراد ہے ان نقول او نقوم بالحق الخ خود آتنی بات پر واضح دلیل ہے کہ اگر خلیفۂ وقت بدکار ہو تو حق بات کا اعلان کرنا چاہیئے اور یہ امر بدرجہ اتم اس وقت ہی ظاہر ہوگا جب کہ اس فاسق خلیفہ کی بیعت کو گلے سے نکال پھینکے۔

دوسری دلیل دوسرے یہ کہ مسندِ

فاسق از مسندِ خلافت و نشاندن عادل بجائش هیچ محذوری مکنون و لازمِ ذات نیست که احتراز ازاں قابلِ اهتمام باشد۔ باقی ماند آنکه اندیشۂ فتنه و فساد موجبِ نهی باشد۔ اگر عقل باشد دریں جا معقول نیست۔ چه اوّل علی الاطلاق ایں طور منع نمی فرمودند۔ بلکه بشرطِ اندیشۂ مذکور منع مے فرمودند و اگر بلحاظ اکثریۃ وقوعِ فساد در چنیں وقائع حجت کرده آید قطع نظر از آنکه مارا که مجیبیم احتمال هم کافی ست۔ بجز تعنت ایں را چه جواب ست که قرینۂ عطف جمله لاحقه اعنی وَ اَنْ نَقُوْلَ اَوْ نَقُوْمَ بِالْحَقِّ مصحح اول ست نه ثانی۔ اعنی آنکه مراد از اہلیۃ اتصاف بعلم و تقویٰ و زہد و قوّۃ و ہمّت و حُسنِ تدبیر ہست نه فقط اسلام و قریشیۃ۔

هفتم آنکه انعقادِ خلافت بوجهِ استیلاء و قهر و غلبه بحکم

خلافت سے فاسق کو اُتار دینے اور اسکی جگہ انصاف پرست کو بٹھانے پر کوئی ایسا نقصان پوشیدہ نہیں ہے اور نہ لازم آتا ہے کہ اس سے بچنا ضروری ہو۔ باقی رہا یہ کہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ممانعت کا سبب ہو، تو اگر کوئی عقل والا ہو تو اس کے لئے یہاں معقول نہیں ہے کیونکہ اوّل تو مطلقاً اس طور پر منع نہیں فرماتے تھے بلکہ مذکور اندیشے کی شرط پر منع فرماتے تھے اور اگر اکثریت کے لحاظ سے فساد کا واقع ہونا اس جیسے مواقع پر حجّت میں لایا جائے تو قطع نظر اس کے کہ ہم جواب دینے والے ہیں، اس کا احتمال بھی کافی ہے۔ سوائے دھینگا دھانگی کے اس کا کیا جواب ہے کہ جملہ لاحقہ کے عطف کا قرینہ میری مراد وَ اَنْ نَقُوْلَ اَوْ نَقُوْمَ، اوّل کی تصحیح کر رہا ہے نہ کہ دوسرے کی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اہلیت سے مراد علم، پرہیزگاری، زہد اور ہمّت کی قوّت اور حُسنِ تدبیر ہے۔ صرف مسلمان اور قریش ہونا کافی نہیں ہے۔

ساتویں یہ کہ خلافت کا انعقاد، غلبہ، زور اور زبردستی کی وجہ سے ضرورت

ضرورۃ ست و خروج اندیں صورت باندیشہ فتنہ و فساد نہ آنکہ بذاتِ خود ممنوع ست۔ پس اگر کسے بزور و غلبہ متسلّط شود و دیگراں را لائق خلافت ننماید اگر امیدِ غلبہ دارند رواست کہ سر بر آرند و دست از اطاعتش بدارند۔ آئندہ خدا داند کہ ایں ظنِ اوشاں راست خواہد آمد یانی۔ واللّٰہ اعلم

ہشتم آنکہ اتباع و اطاعت ائمہ و خلفاء وجوب آں مشروط بشرطِ بقاء امامت است و خلافت مثل اتّباع رسل تا وقتیکہ نبوۃ کسی بحال خود باقی ست، اعنی منسوخ بنبوۃ دیگرے نگردیدہ اتّباع او امر و نواہی شاں ضرورۃ ست و زمانیکہ اوشاں از عہدۂ نبوۃ خود بر آیند اعنی نبوۃ شاں منسوخ گردد۔ آندم اتباع اوشاں ضرور نیست، خواہ اوشاں زندہ باشند مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا مردہ

کے سبب سے ہے اور اس صورت میں اطاعت سے نکل جانا فتنہ و فساد کے اندیشے سے منع ہے نہ یہ کہ بذاتِ خود خروج ناجائز ہے پس اگر کوئی غلبہ اور طاقت سے قابض ہو جائے اور دوسروں کو خلافت کے لائق نہ دکھائی دے تو اگر غلبہ کی امید رکھتے ہوں تو درست ہے کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسکی اطاعت سے ہاتھ اٹھالیں۔ آئندہ خدا جانتا ہے کہ ان کا یہ گمان درست ہوگا یا نہیں۔ واللہ اعلم۔

آٹھویں یہ کہ خلفاء اور اماموں کی اطاعت اور پیروی کا واجب ہونا۔ انکی امامت کے باقی رہنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ رسولوں کی پیروی ان کی رسالت کی بقاء کی شرط کے ساتھ مشروط ہوا کرتی ہے جبتک کہ کسی نبی کی نبوت اپنی حالت پر باقی ہے یعنی دوسرے نبی کی نبوت سے منسوخ نہیں ہوتی تو اس کے احکامات کی پیروی ضروری ہے اور جب انبیاء اپنی نبوت سے عہدہ برآ ہو جائیں یعنی انکی نبوت منسوخ ہو جائے تو اس وقت انکی پیروی ضروری نہیں ہے وہ خواہ زندہ ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام یا اپنی امتیازی

بموت مخصوص خود۔ ہمچنیں خلفاء را باید پنداشت۔ پس اگر خلیفہ را بوجہی معزول کنند یا خلافت او قبول نکنند اتباع او امر و نواہی او لازم نخواہد بود۔ غایۃ ما فی الباب ایں عزل و عدم قبول نازیبا و مکروہ و ممنوع بود۔ غرض تاکیدات نبوی بنسبت اطاعۃ اولی الامر نہ علی العموم ست بلکہ تا وقت بقاء خلافت و امامت شان ست۔

موت کے ساتھ دنیا سے تشریف لے گئے ہوں اسی طرح خلفاء کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ پس اگر کسی وجہ سے خلیفہ کو معزول کردیں یا اسکی خلافت کو لوگ قبول نہ کریں تو اس خلیفہ کے احکام اور نواہی کی تعمیل ضروری نہ ہوگی زیادہ سے زیادہ یہ کہ خلیفہ کا معزول کردینا اور قبول نہ کرنا (بعض حالات میں) نامناسب (بعض میں) مکروہ اور (بعض میں) ممنوع ہوگا غرض نبی اکرمؐ کی طرف سے اولی الامر کی اطاعت کے متعلق تاکیدیں عام طور پر نہیں ہیں بلکہ انکی امامت اور خلافت کے باقی رہنے کے وقت تک ہیں۔

٩ نہم آنکہ اگر افراد کثیرہ در لیاقت بمعنی ثانی شریک باشند فرق اگر باشد در شدّۃ و ضعف و زیادۃ و قلّت باشد۔ آں وقت افضل آنست کہ افضل را خلیفہ گردانند نہ آنکہ واجب است۔ چنانچہ ظاہر ست وہم از قصہ بیعۃ خلیفہ اوّل بامرچہ بعد وفات سرور کائنات علیہ و علی آلہ الصلوات والتسلیمات اوّل انصار را داعیہ امارت بسر

٩ نویں یہ کہ اگر بہت سے آدمی لیاقت بمعنی ثانی (یعنی قریشی متقی اور عالم وغیرہ) میں شریک ہوں اور اگر ان میں کوئی فرق ہو تو شدّت اور ضعف اور زیادتی و قلّت میں ہو تو اس وقت افضل یہ ہے کہ سب سے زیادہ اچھے آدمی کو خلیفہ بنائیں البتہ یہ واجب نہیں ہے (اولیٰ یہ ہے کہ افضل کو بنائیں) جیسا کہ ظاہر ہے چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اوّل کی بیعت کے قصے میں اول انصار کے دماغ میں خلافت کا جو جذبہ پیدا ہوا، تو اگر امامت میں

افتاد۔ اگر افضلیۃ در امام ضروری بودے ایں خیال محال بود۔ چہ افضلیۃ مہاجرین وآنہم چار یار و بقیہ عشرہ مبشرہ دراں زمانہ ہم حکم بدیہیات داشت خصوصًا افضلیۃ خلیفہ اوّل۔ واگر گفتہ شود کہ تا آں وقت ضرورت افضلیۃ مثل ضرورت قریشیت معلوم نباشد۔

جوابش این است کہ ضرورتِ قریشیت محض شرعی است وعقل را دراں مجالِ مداخلت نیست آری افضلیت بشابہ است کہ اگر ضروری باشد اعنی بدیہی بود و ازیں ہم واگذاشتیم، پس ازآنکہ

"الائمۃ من قریش"

خواندہ شدہ آں وقت کہ خلیفہ اوّل حوالہ بر حضرت عمر و حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کردند چنانکہ یاد باشد، خود دلیل کامل است بریں مدعا۔ چہ اگر بنسبتِ خود

افضلیت (واجب ہوتی تو پھر) انصار کا داعیہ ایک خیال محال ہوتا۔ کیونکہ مہاجرین صحابہ کی اور ان میں بھی چار یاروں اور باقی عشرہ مبشرہ کی افضلیت اس زمانے میں بدیہی طور پر مسلّم تھی۔ خاص طور پر خلیفہ اوّل کی افضلیت، اور اگر کہا جائے کہ اس وقت تک خلیفہ کا افضل ہونا قریشی ہونے کی ضرورت کی طرح ضروری نہ تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قریشی ہونے کی ضرورت صرف شرعی ہے عقل کو اس میں دخل دینے کی مجال نہیں ہے۔ ہاں افضلیت اس درجہ پر ہے کہ اگر ضروری ہو یعنی واضح ہو، اور چلئے ہم اس کو بھی چھوڑتے ہیں اور اس کے بعد (کہ حدیث کے مطابق کہ)

"خلفاء قریش میں سے ہوں گے"

سُنائی گئی تو اس وقت خلیفہ اوّل نے خلافت کو حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کے حوالے کیا جیسا کہ آپ یاد ہوگا۔ یہ بات اس مدعا پر مکمل دلیل ہے۔ کیونکہ اپنے مقابلے میں اگر وہ

دیگراں را افضل میدانستند باری تفاوتِ مراتب دیگراں بالیقین معلوم بود۔ ہر کرا افضل میدانستند بہ بیعۃ ہماں کس ارشاد میفرمودند۔

شبہ و اگر گفتہ شود کہ ہر دو را بیک مرتبہ دانستہ باشند ہرچند ایں قسم بیہودہ خیالات تعنت محض ست و مکابرہ سخت دریں امر چہ عذر خواہند آورد کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت بامیر معاویہؓ سپردند۔ شیعہ اگر چشمِ حق بیں بستہ یا شکستہ عذر تقیہ کنند سُنّیاں چہ خواہند گفت ہرچند ایں عذرِ شیعیاں نیز دریں واقعہ تعنت و مکابرہ است چہ با ایں افواج کثیرہ کہ بودند و آں انکار کہ لشکریاں کہ نمودند ایں عذر پوچ بنرخ گزشتہ ارزد۔

اما کلام بر اصول سُنّیاں است اوشاں را بجز تسلیم آنکہ خود تسلیم کردند ہیچ چارہ نیست و بعد ایں ہمہ چنیں و چناں ایں قدر

دوسروں کو افضل جانتے، اور یقیناً دوسروں کے مرتبوں کا فرق ان کو معلوم تھا تو جس کسی کو وہ افضل سمجھتے، اسی کی بیعت کرنے کے لئے ارشاد فرماتے۔

شبہ اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں کو ایک ہی مرتبہ کا سمجھا ہوگا تو ہرچند کہ یہ خیال بیہودہ اور دھینگا مشتی ہے، اور سخت زبردستی ہے تو پھر اس بات کا کیا عذر پیش کریں گے کہ حضرت امام حسن، رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی۔ شیعہ لوگ اگر نظر حق بیں بند کر کے یا پھوڑ کر تقیہ کا عذر کریں گے۔ مگر سنی کیا کہہ سکیں گے.

ہرچند شیعوں کا تقیہ کا عذر بھی اس واقعے میں دھینگا مشتی ہے کیونکہ اتنی کثیر التعداد فوج جو اُن کے پاس تھی اور فوج بھی انکار کر رہی تھی یہ تقیہ کا عذر گزشتہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

لیکن بحث تو سُنّیوں کے اصول پر ہو رہی ہے لیکن چونکہ سُنّی پہلے تسلیم کر چکے ہیں اس لئے انہیں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور اس قدر بحثوں کے بعد

بدیہی است کہ افضلیت کسے، موجبِ افضلیت استخلاف اولیٰ تواں شد، سببِ وجوبِ استخلافِ او نتواں شد۔

دہم آنکہ حال درمعرض تحول می باشد ہمیں است کہ حال نام کردند پس ممکن بلکہ ہزارہا را می بینم کہ وقتے تقویٰ است وطہارت و زہد است و عبادت و سجادۂ طاعت بردوش وحلقۂ اطاعت خداوندی در گوش باز پس از چندے مسخرہ شیطان مے شوند و برعکس رہ اوّل میروند۔ درحال اوّل لیاقتِ خلافت بمعنی ثانی دارند نہ درحالِ ثانی۔

یازدہم آنکہ اوامر و نواہی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ فقط برائے ایجاب وتحریم می باشند بہر استحباب وغیرہ امورِ معلومہ نیز می باشند۔ آری تمیز اینکہ ایں امر ونہی برائے ایجاب وتحریم است

یہ بات کھُل کر آ گئی ہے کہ کسی کا افضل ہونا خلیفہ نامزد کرنے کیلئے صرف افضلیت کا موجب ہو سکتا ہے اس کی نامزدگی کے واجب ہونے کا سبب نہیں ہو سکتا۔

دسویں بات یہ ہے کہ انسان کی حالت بدلتی رہتی ہے اسی وجہ سے تو اس کا نام حال رکھا ہے پس ممکن ہے بلکہ ہزاروں کو میں دیکھتا ہوں کہ ایک وقت تقویٰ، طہارت اور دنیا سے بے رغبتی ان کو ہوتی ہے اور عبادت اور اطاعت کا کا مصلی کندھے پر ہے اور اطاعتِ خداوندی کا حلقہ کان میں ہے لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد شیطان کا کھلونا بن جاتے ہیں اور پہلی راہِ ہدایت کے برخلاف چلنے لگتے ہیں پہلی حالت میں تو وہ دوسرے معنی میں خلافت کی لیاقت رکھتے ہیں لیکن دوسری حالت میں نہیں۔

گیارہواں اصول یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی صرف کسی چیز کو واجب اور حرام کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتے بلکہ امورِ معلومہ استحباب و اباحت وغیرہ کیلئے بھی ہوتے ہیں۔ البتہ یہ تمیز کرنا کہ کونسا امر اور نہی ایجاب و تحریم کے لئے ہے

و ایں امر و نہی برائے استحباب وغیرہ ہر کس را میسر نیست آنکہ فرق مراتب موجبات امر و نہی و علل غائیہ آن را می شناسد، ایں را می داند۔ چوں بحث دریں امر خاص است رمزی از یںقسم باید گفت۔ اگر خلیفہ وقت اہلیۃ ثانیہ داشتہ باشد قتال و جدالِ او حرام قطعی است چہ مضرۃ دینی و دنیوی بے شائبہ منفعتِ دینی پیش خواہد آمد۔ و ایں قدر کیست کہ نمی داند کہ ایں قسم امور حرام مطلق می باشند۔ و اگر از اہلیۃ ثانیہ بہرۃ ندارد، فقط باہلیت اولیٰ سریر خلافت را زیر پا گرفتہ و بر مسندِ امامت و حکومت اہلاں نشستہ می باید دید کہ در تقدیر عزلِ آں و نصبِ دیگراں اگر فقط اتلافِ جان و مال خویشتن است و بس امید غلبہ و رجا

اور کونسا استحباب و اباحت کے لئے ہے ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے ہاں وہ شخص جو کہ امر و نہی کے مقتضا کے مراتب اور ان کے اغراضِ اصلیہ کا فرق پہچانتا ہے وہی اس فرق کو سمجھ سکتا ہے چونکہ ہم اس خاص مسئلے میں بحث کرتے ہیں تو کچھ اشارہ اس طرف بھی کر دینا چاہیئے۔ اگر خلیفہ وقت خلافت کی دوسری[1] قسم کی اہلیت رکھتا ہو (کہ وہ پرہیزگار ہے) تو اس وقت اس کے ساتھ جنگ و جدال کرنا قطعی حرام ہے کیونکہ اس صورت میں کسی دینی نفع کے شائبہ کے بغیر دینی[2] اور دنیوی نقصان پیش آئے گا اور اتنی بات کو کون ہے جو نہیں جانتا ہے کہ اس قسم کے امور بالکل حرام ہوتے ہیں اور اگر اہلیت ثانیہ سے وہ بہرہ ور نہیں ہے صرف پہلی اہلیت کی وجہ سے تختِ خلافت کو اپنے پاؤں کے نیچے دبائے بیٹھا ہے اور اس نے خلافت کے اہل لوگوں کی جگہ گھیری ہوئی ہے، تو پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کو تخت سے ہٹانے اور دوسروں کو بٹھلانے میں اگر صرف اپنی جان و مال کا کھونا ہے اور فتح کی اُمید اور

---

[1] یعنی قریشیت کے ساتھ صاحب علم و تقوی بھی ہو۔ مترجم

[2] یعنی نقصان دینی اور دنیوی دونوں قسم کا ہوگا اور کوئی دینی فائدہ نہ ہوگا۔ مترجم

شوکت نیست نہی از قتال و
جدال او نہی شفقت خواہد بود،
و اگر اندیشۂ تمادی و استطارۂ
فتنہ باشد اعنی بداند کہ ایں آتش
درعرض وطول خود کردہ و ناکردہ
را فرا خواہد گرفت فقط سروکار
با اہلِ پیکار نخواہد ماند، آں وقت
نباید کہ دستِ قتال کشیدہ مگر
اکثر ہمیں است کہ ایں تخمِ
بے حقیقت شاخ و برگ خود
دُور دُور می رساند وچوں
نرساند کینہ از سینۂ سلاطین
دریں چنیں اوقات سر میزند و
حبِ مال وجاہ کینہ کش بدخواہ
خود می شود۔ باایں ہمہ آں
طرف مال و دولت در دست و
خشم و خدم سرپرست، قہر و
استیلا حاصل، مخالف ومزاحم
مستاصل و ایں طرف بجز
موشک دوانی و امیدِ پنہانی
چیست کہ اُمید بستہ آید و
قوّتِ دشمن شکستہ اید۔ لیکن

شوکت کی صورت نہیں ہے تو اس کو ایسے طریقے
سے جنگ و جدال کرنے سے منع کرنا صرف
شفقت کے طور پر ہوگا اور اگر فتنہ کے بڑھنے
اور تمادی کا اندیشہ ہو، میرا مطلب ہے کہ وہ
جانتا ہے کہ یہ آگ اپنے عرض و طول میں کرنے
والے اور نہ کرنے والے کو گھیرے گی صرف اہلِ
پیکار تک ہی محدود نہ رہے گی تو اس وقت
جنگ و جدال کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیئے
مگر اکثر یہی ہے کہ یہ معمولی سا بیج اپنی شاخیں
اور پتے دُور دُور تک پہنچاتا ہے اور کیوں
نہ پہنچائے کہ اس قسم کے حالات میں سلاطین
اپنا انتقام لیتے ہیں اور مال وجاہ کی
محبت اپنے دشمن سے کینہ پر مجبور کرتی
ہے۔ اس کے باوجود اس طرف ہاتھ
میں مال و دولت ہوتے ہیں، اور نوکر
چاکر اور لشکر مددگار ہوتا ہے۔ غلبہ اور
تسلط حاصل اور مخالف و مزاحم کی جڑیں
کھوکھلی، اور اس طرف شوشے چھوڑنے
اور در پردہ اُمیدیں باندھنے کے سوا
کیا رکھا ہے کہ اُمید پوری ہو جائے اور
دشمن کی قوّت ٹوٹ جائے لیکن پھر بھی کبھی
غیبی نصرت بے سروسامان لوگوں کی

تاہم کار پردازی غیب گاہی در کارِ بے سروسامانان می شود و اقبال و نصرت مددگار بے خانمانان میگردد۔ انقلابِ دولتِ بنی امیہ از دستِ عباسیان شنیدہ باشی و ترقی دولۃ تیموریہ در کتب دیدہ باشی۔ پس اگر اُمیدِ غلبہ و رجاء شوکت باشد، در محاربہ و مجادلہ چہ باک۔

الحاصل در صورتِ فسق خلیفہ موازنہ در منافع و مضار خلع بیعت باید کرد ہرچہ راجح نماید بداں کاربند باید شد۔ و ایں مضمونیست کہ در اشاراتِ آیۃ

قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّ

کامیابی کا سامان پیدا کر دیتی ہے اور بے خانماں لوگوں کی مددگار بن جاتی ہے۔ عباسیوں کے ہاتھوں بنی اُمیّہ کی حکومت کا انقلاب تم نے سُنا ہی ہوگا، اور حکومتِ تیموری کی ترقی کا حال کتابوں میں دیکھا ہوگا۔ پس اگر غلبے کی اُمید اور شوکت کی توقع ہو تو پھر جنگ و جدل میں کیا مضائقہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ خلیفہ کے بدکار ہونے کی صورت میں اس کی بیعت کے توڑنے کے نفع و نقصان کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ جو صورت[1] راجح ہو، اس پر عمل کرنا چاہیئے اور یہی مضمون ہے جو کہ اس آیت کے اشاروں میں پنہاں ہے۔

کہہ دیجیے[2] کہ ان دونوں (یعنی شراب اور

---

[1] یعنی اگر جنگ میں فائدہ ہو تو جنگ کرے اور اگر ملکی نقصان کا اندیشہ ہے، تو پھر جنگ سے باز رہے۔ مترجم

[2] اس آیت میں شراب اور جوئے کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں گناہ بڑا اور کچھ منافع بھی ہیں۔ لیکن گناہ ان دونوں کے منافع سے زیادہ ہیں۔ اس لئے جب گناہ غالب ہو تو اس کا اعتبار کر کے ان کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح خلیفہ کے فاسق ہونے میں اگر نقصانات غالب ہوں اور فسادات اور تباہی بھی غالب نہ ہو تو چاہیئے کہ ایسے خلیفہ کو معزول کر دیا جائے۔ مترجم

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ودلیت نهاده اند۔

جوئے) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں لیکن ان کے نفع سے نقصان زیادہ ہیں۔

۱۲ دوازدهم آنکه در احادیث کتب صحیحه مثل مسلم از عبادة بن صامتؓ مروی ست که

۱۲ بارہویں یہ کہ احادیث کی صحیح کتابوں میں جیسی مسلم، عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ:

دعانا رسول الله صلی الله علیه وسلم فبایعنا فکان فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا و اثرة علینا ولا ننازع الامر اهله قال الا ان تروا کفرا بواحًا عندکم من الله فیه برهان۔

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی۔ پس ہم نے بیعت کی۔ پس جن باتوں کے لئے ہم سے بیعت لی، یہ تھیں کہ ہم بیعت کریں اطاعت و فرمانبرداری پر اپنی خوشی اور ناخوشی میں، اپنی تنگی اور فراخی میں، اور اولوالامر سے ہم جھگڑا نہ کریں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں اگر تم کھلا کفر دیکھو کہ اس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے برہان موجود ہو (تب اولوالامر سے نزاع کرسکتے ہو)

ازیں روایت مثل آفتاب روشن است که اگر خلیفه علی الاعلان مرتکب معصیت بینه باشد و از امر معروف و نهی عن المنکر منزجر نشود منازعت با او

اس روایت سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ اگر خلیفہ علی الاعلان کھلے گناہ کا مرتکب ہو، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اثر قبول نہ کرے تو اس کے ساتھ نزاع جائز ہے۔ کیونکہ

جائز است چہ مراد از کفرًا بوّاحًا درینجا معصیت است بقرینہ جملہ عندکم من اللہ فیہ برھان ورنہ کفر اصطلاحی محتاج ایں توصیف نبود چنانچہ ظاہر است۔ ہمچنیں جملہ لا ما اقاموا الصلوٰۃ کہ دربعض روایات صحیح مسلم بعد استفسارِ صحابہؓ از منابذۃ امر فسقہ وارد است بریں امر دلالت دارد کہ اگر کسی ارکانِ ضروریہ دینیہ را ترک دہد دستِ اطاعت از دست او باید کشید۔

۱۳ سیزدہم آنکہ فسق را مدارجِ کثیرہ است و حکم ہر درجہ جُدا۔ ہمہ را بیک نرخ نباید گرفت۔ شربِ خمر و امثالِ او نیز فسق است و ترک صوم وصلوٰۃ و حج و زکوٰۃ ہم فسق است۔ باز اخفار آں نیز فسق است و اعلان آں نیز فسق است و تنہا کردن ایں کارہا نیز فسق است تحریص دیگراں

کفرًا بوّاحًا سے یہاں مراد گناہ ہے عندکم من اللہ فیہ برھان کے قرینے سے۔ ورنہ اصطلاحی کفر اس صفت بیان کرنے کا محتاج نہیں ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ اسی طرح جملہ لا ما[1] اقاموا الصلوٰۃ کہ صحیح مسلم کی بعض روایات میں صحابہ کے پوچھنے کے بعد حکم واقع ہوا ہے جبکہ صحابہؓ نے بدکار حاکموں کی نافرمانی کے متعلق سوال کیا تھا یہ جملہ اس بات پر دلالت رکھتا ہے کہ اگر کوئی حاکم دین کے ضروری ارکان کو چھوڑ دے تو اس کی فرمانبرداری سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیئے۔

۱۳ تیرہویں یہ کہ فسق کے بہت سے درجے ہیں اور ہر درجے کا حکم بھی جُدا ہے سب کو ایک ہی بھاؤ نہ سمجھنا چاہیئے۔ شراب کا پینا اور اسی طرح کے گناہ (جوا وغیرہ) بھی فسق ہے اور روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کا چھوڑ دینا بھی فسق ہے پھر فسق کا چھپانا بھی فسق ہے اور فسق کا اعلان کرنا بھی فسق ہے اور ان کاموں کو تنہائی میں کرنا بھی فسق ہے اور دوسروں کو رغبت دینا بھی فسق ہے۔

---

[1] اولوالامر سے نزاع نہ کرو جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے رہیں۔ انوار

ہم فسق است۔ ہمچنیں ارتکابِ امور محرمہ ہم فسق است و اعتقاد امور مبتدعہ ہم فسق است پس جائیکہ تحذیر از خروج بر فساق فرمودہ اند مراد ازاں مطلق فسق داشتہ اند۔ مرادم ایں است کہ نفسِ فسق مِنْ حَیْثُ هُوَ یعنی و ماہیت و مصداق فسق بے اعتبار امورِ زائدہ موجب عزل و انعزال نیست۔ ورنہ ہر نوع فسق کہ باشد اگرچہ کفر بواح باشد و ترکِ صلوٰۃ بود، موجبِ عزل نتواند شد۔

اسی طرح حرام کاموں کا کرنا بھی فسق ہے اور بدعت کے کاموں کا اعتقاد کرنا بھی فسق ہے۔ پس جہاں فاسق خلفا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے سے ڈرایا گیا ہے اس سے مراد مطلق فسق رکھا ہے میرا مطلب یہ ہے کہ فسق صرف فسق ہونے کی حیثیت سے یعنی اس کی ماہیت اور مصداق امورِ زائدہ کا اعتبار کئے بغیر خلیفہ کے خود معزول ہو جانے یا معزول کر دینے کا موجب نہیں ہے۔ ورنہ ہر قسم کا جو فسق بھی ہو اگرچہ کفر بواح ہو اور یا ترکِ نماز ہی کیوں نہ ہو، عزل کا سبب نہ ہو سکتا۔

غرض ازیں گفتن کہ بر فاسق خروج نباید کرد لازم نمی آید کہ بر اعلانِ فسق ظاہر و ترک ضروریاتِ دین و بدعت، ہم خروج نباید کرد۔

غرض اس کہنے سے کہ فاسق کے خلاف خروج نہیں کرنا چاہیئے یہ لازم نہیں آتا کہ فسق ظاہر کے اعلان کرنے اور دین کی ضروریات ترک کرنے اور بدعت کا ارتکاب کرنے پر بھی خروج نہیں کرنا چاہیئے۔

بالجملہ فسق کلی مشکک است

نتیجہ یہ ہے کہ فسق کلی مشکک[1] ہے

---

[1] مسئلہ تشکیک منطقیوں میں ایک معرکہ آرا مسئلہ ہے۔ یہاں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ افراد میں صفت کے اعتبار سے کمی اور زیادتی اور درجہ بدرجہ اولیت اور اولویت، زیادہ شدت اور زیادہ تخفیف جو پیدا ہوتی ہے اس کا (بقیہ برصفحہ آئندہ)

نہ ہر فردِ او موجبِ خروج، و نہ ہر مرتبہ او مانع ازاں۔ بالجملہ قدر مشترک فیما بین مدارجِ فسق موجبِ خروج نیست و ہمیں است معنی لا ینخلع ولا یجوز الخروج علیہ۔

چہاردہم[14] آنکہ عقائد اہلِ سُنّت دو قسم است۔ یکے متفق علیہ جملہ اہلِ سُنّت بیک عقیدہ دل دادہ اند مخالفتِ ایں قسم عقائد چنانکہ شیعہ و خوارج و نواصب و معتزلہ و مرجیہ کردہ اند

نہ اس کا ہر فرد خروج کو واجب کرتا ہے، اور نہ اس کا ہر مرتبہ خروج کو مانع ہے مختصر یہ کہ فسق کے درجوں کے درمیان قدر مشترک خروج کو واجب نہیں کرتی اور یہی مطلب ہے اس کا " نہ تو بیعت کو توڑے اور نہ اس کے برخلاف خروج جائز ہے۔

چودھویں[14] یہ کہ اہلِ سُنّت کے دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ عقائد ہیں جن پر تمام اہلِ سُنّت بیک خیال متفق ہیں اور جان دیتے ہیں۔ اس قسم کے عقائد کی مخالفت کرنا جیسا کہ شیعہ[1] خارجی[2]، نواصب[3]، معتزلہ[4] اور مرجئہ[5] نے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) نام تشکیک ہے۔ مثلاً ایک وجود کی ماہیت میں دوسرے کی بہ نسبت زیادہ کمال ہو۔ لہٰذا کلی مشکک وہ کلی ہے جو اپنے مصداق کے درجات کے اعتبار سے مختلف ہو۔ مترجم

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] شیعہ وہ فرقہ کہلاتا ہے جو حضرت علی رضی کی بلافصل خلافت کا قائل ہے اور ان کو سب سے افضل سمجھتا ہے اور اہلِ بیت کی محبّت کا دم بھرتا ہے۔ مترجم۔

[2] خارجی وہ گروہ تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت کا منکر بلکہ ان کے کفر تک کا قائل تھا۔

[3] نواصب۔ یہ لوگ ظاہر میں بڑے عابد زاہد تھے لیکن اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک یہ فرقہ نجاتِ آخرت سے محروم ہے۔ مترجم۔

[4] معتزلہ مسلمانوں کے فرقوں میں وہ ایک فرقہ تھا جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو نہ مسلمان کہتے ہیں اور نہ کافر۔ اس فرقے کا امام ابو علی جبائی تھا جس نے یہ عقیدہ پیش کیا تھا جس پر امام ابو الحسن اشعریؒ نے فرمایا تھا کہ اعتزل عنا۔ وہ ہم سے صحیح العقیدتی میں جُدا ہو گیا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

موجب تفسیق و تبدیع می شود۔
دوم عقائد مختلف فیہا کہ
اکابر اہل سنّت دراں مختلف
شدہ اند مثل اختلاف در تکوین و
حسن و قبح ۔ ایں قسم اختلاف را
مثل اختلاف در شرائط جمعہ
باید پنداشت ۔ اگر فرق است
ہمیں قدر است کہ آنرا در کتب
کلامیہ آوردہ اند ۔ و ایں را در
کتب فقہیہ سپردند مگر ایں قدر
فرق نزد اہل عقل قابلِ التفات
نیست و با بے عقلاں کلام نیست
پس چنانچہ شافعیہ، حنفیہ را
اگر در دیہات جمعہ نخوانند
و درآنجا جمعہ را واجب ندانند
کافر و فاسق نخوانند ۔ علیٰ ہذا القیاس
حنفیہ، شافعیہ را اگر باوجود
سہ کس جمعہ را واجب ندانند
کافر و فاسق ندانند۔

کی تفسیق اور تبدیع کی موجب ہوتی ہے۔
دوسرے وہ عقائد جن میں اختلاف
کیا گیا ہے کہ اہل سُنّت کے بڑے بڑے
علماء ان میں مختلف ہو گئے ہیں مثلاً کسی
چیز کے ہونے اور اچھے بُرے ہونے میں اختلاف۔
اس قسم کے اختلاف کو جمعہ کی شرطوں میں
اختلاف کی مانند سمجھنا چاہیئے ۔ اگر کوئی فرق
ہے تو اس قدر ہے کہ اس کو علم کلام کی کتابوں
میں لائے ہیں اور اس کو فقہ کی کتابوں میں
تحریر کیا ہے ۔ مگر اتنا فرق اہلِ عقل کے
نزدیک توجہ کے قابل نہیں ہے ۔ اور
بے عقلوں سے ہمارا سروکار نہیں ہے ۔
پس جیسا کہ شافعیہ حنفیہ کو اگر حنفیہ دیہات
میں جمعہ نہیں پڑھتے ہیں اور وہاں جمعہ
کو واجب نہیں جانتے ہیں، کافر اور
فاسق نہیں کہتے، اسی پر قیاس کر کے حنفیہ
شافعیہ کو جو تین آدمیوں کے ہوتے ہوئے
بھی جمعہ کو واجب نہیں جانتے، کافر و
فاسق نہیں جانتے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اسی اعتزال کی وجہ سے اس فرقے کو معتزلہ کہا جانے لگا۔ مترجم۔

[۵] مرجئہ وہ فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ۔ مترجم۔

پانزدہم[۱۵] آنکہ استخلافِ خلیفہ کسی را موجبِ عمومِ انعقاد است اگر شخص مستخلف لیاقتِ ثانیہ داشتہ باشد و وجہِ عموم انعقاد ظاہر است چہ اطاعت اولوالامر واجب است۔ ہرچہ فرماید، فرمان باید پذیرفت ۔ مگر چوں بنای ایں قسم استخلاف بر اطاعت اولوالامر است، ہمہ فوائدِ اطاعت قابلِ لحاظ خواہند بود۔ پس اگر شخصے را خلیفۂ وقت خلیفہ گرداند کہ لیاقت ثانیہ نداشتہ باشد بلکہ تارک صلوٰۃ و مبتدع بود، اطاعتش دریں امر لازم نخواہد بود چہ

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

پندرہویں[۱۵] یہ کہ خلیفۂ برحق کا کسی کو اپنا قائم مقام نامزد کر دینا عام خلافت کے انعقاد کا موجب ہے بشرطیکہ جس شخص کو خلیفہ نامزد کیا جا رہا ہے وہ خلافت کی دوسری[۱] قابلیت رکھتا ہو (جو خلیفہ میں ہونی چاہیئے) اور عام خلافت کے منعقد ہونے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ صاحب[۲] امر کی اطاعت ضروری ہے۔ وہ جو حکم دے قبول کرنا چاہیئے لیکن چونکہ اس قسم کے خلیفہ بنانے کی بنیاد اولوالامر کی فرمانبرداری پر ہے تو اطاعت کے مجموعی فوائد پیش نظر رکھنے ہونگے۔ پس اگر خلیفۂ وقت ایسے شخص کو خلیفہ بنائے جو لیاقتِ ثانیہ نہ رکھتا ہو بلکہ تارکِ نماز یا بدعتی ہو، تو اس صورت میں خلیفہ کی اطاعت ضروری نہ ہوگی۔ کیونکہ

"اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔"

---

[۱] یعنی نامزد شخص میں قریشیت، تقویٰ اور علم وغیرہ صفات ہوں جو کہ قابلیت کی دوسری قسم ہے جبکہ پہلی شرط صرف یہ ہے کہ وہ قریشی ہو۔ جیسا کہ الائمۃ من القریش سے واضح ہے۔ مترجم

[۲] یعنی جب خلیفۂ برحق نے اپنا قائم مقام نامزد کر دیا، تو چونکہ اولوالامر نے ایسا کیا ہے لہٰذا اس کی اطاعت ضروری ہوئی، اور نامزد خلیفہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہوا جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا تھا۔ مترجم

و اگر بزعم خلیفہ او قابلِ خلافت بود و نزدِ دیگراں نبود تاہم اطاعتش بہمیں لازم نخواہد بود۔ البتہ خلیفۂ وقت را ایں وقت بد نتواں گفت چہ بزعم خود او را قابل دانستہ، ولیعہد کردہ بود بزعمِ دیگراں اگر قابل نہ برآمد او چہ کند و ایں قسم اختلاف و تنازع خلیفہ و رعیت کہ خلیفہ امر مستحسن پندارد و رعیتش قبیحش انگارد اکثر اتفاق افتادہ منجملہ مباحثہ ابوبکر صدیقؓ و عمرؓ فاروق و زیدؓ بن ثابت در جمع قرآن نیز ہست و ہمچنیں دیگر وقائع بریں قدر دلالت دارند۔ پس ممکن کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید را لائق خلافت خود، چنانکہ مذکور خواہد شد، دیدند و بر

اور اگر خلیفہ کے گمان میں وہ خلافت کے قابل ہو اور دوسروں کے نزدیک نہ ہو پھر بھی اس خلیفہ کی اطاعت اتنی بات پر ضروری نہ ہوگی۔ البتہ خلیفۂ وقت کو اس وقت بُرا بھلا نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُس نے اپنے گمان میں اس کو قابل جان کر ولیعہد بنایا تھا۔ اگر وہ دوسروں کے خیال میں قابل نہ نکلا تو وُہ کیا کرے اور خلیفہ اور رعیت میں اس قسم کا اختلاف اور باہمی جھگڑا کہ خلیفہ تو اس کو اچھا سمجھتا ہے اور خلیفہ کی رعایا اس کام کو بُرا خیال کرتی ہے اس قسم کی باتیں اکثر واقع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم) کے درمیان قرآن[1] کو یکجا جمع کرنے کے بارے میں بھی بحث و مباحثہ ہے اور اسی قسم کے دوسرے واقعات اتنی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنی جگہ خلافت کے لائق دیکھا جیسا کہ ذکر آئے گا اور یزید کے بُرے افعال کی اُنہیں

---

[1] حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمع قرآن کے لئے فرمایا تو زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختلاف فرمایا۔ مگر پھر حق واضح ہونے پر انہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ سے اتفاق کیا۔ مترجم

خبث افعال او مطلع نشده باشند۔ و دیگراں او را قابلِ خلافت ندیدند یا دیدند و باز حالِ او متبدل شد۔ ازیں وجہ از بیعتش انکار کردند۔

خبر نہ ہو۔ اور دوسروں نے اس کو خلافت کے قابل نہ پایا۔ یا پایا اور بعدازاں اس کی حالت بدل گئی ہو، اس وجہ سے انہوں نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔

الغرض استخلافِ خلیفہ موجب عمومِ انعقاد است۔ اما بشرطیکہ در نظرِ رعیت امور قادحہ در خلافت ولیعہد یافتہ نہ شوند[1]۔

غرض یہ ہے کہ خلیفہ کا کسی کو اپنے قائم مقام خلیفہ بنانا عام انعقاد کو واجب کرتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ رعایا کی نظر میں ولی عہد کے خلیفہ بننے میں ایسے امور نہ پائے جاتے ہوں جو قابلِ اعتراض ہوں (تو عمومِ انعقاد واجب نہ ہوگا)

چوں ایں مقدمات شانزدہ گانہ تمہید یافت اعتراض شیعیان خود پاش پاش شد۔ و بطور سُنّیاں در شہادۃ جگر گوشہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم امام الشہداء آنحضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وعن اولادہ جائے انگشت نہادن نماند و ہمچنیں در ولیعہد کردن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید را خدشہ موجبِ انکار نہ برآمد۔

جب یہ سولہ مقدمات تمہید کے طور پر بیان ہو گئے تو شیعوں کے اعتراض کی دھجیاں بکھر گئیں اور سُنّیوں کے طرزِ فکر کے مطابق رسول انس وجن صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ، شہداء کے امام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وعن اولادہ کی شہادت پر انگلی اُٹھانے کی گنجائش نہ رہی، اور اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید پلید کو ولی عہد بنانے میں بھی کوئی خدشہ موجبِ انکار نہ نکلا۔

---

[1] دراصل یہ لفظ یافتہ نشوند ہے۔ کاتب سے پرانے نسخے میں غلطی ہو گئی ہے کہ اس نے یافتہ شوند لکھ دیا ہے۔ مترجم۔

بحث در ولیعہدی یزید

اوّل از ولی عہدی یزید بحث مے کنم بعد ازاں در شہادت حضرت سیّد الشہداء علیہ و علیٰ آبائہ السّلام حرف مے زنم تا وقتیکہ امیر معاویہ یزید پلید را ولی عہدِ خود کردند فاسق معلن نبود۔ اگر چیزی کردہ باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہؓ را ازاں خبر نبود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ ازو مشہود شد مشہور است۔

خوابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در بابِ یزید و جہادش

در بیتِ امِ ملحان رضی اللہ عنہا کہ حضرت محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین یک بار دو بار خفتند و بیدار شدند و ہر بار خندیدند و در وجہ خندہ فرمودند (کہ) جماعتی از امّتیاں خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد میکنند و در شان اوشان فرمودہ اند۔

یزید کی ولیعہدی پر بحث

اوّل میں یزید کی ولی عہدی پر بحث کرتا ہوں۔ اس کے بعد سیّد الشہداء اُن پر اور ان کے آباء پر سلام ہو، کی شہادت پر کلام کرتا ہوں۔ جس وقت کہ امیر معاویہؓ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو وُہ علانیہ فاسق نہ تھا۔ اگر اُس نے کچھ کیا ہوگا تو در پردہ کیا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ کو اس کی خبر نہ تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں یزید کا حُسنِ تدبیر جیسا کہ اس سے دیکھا گیا، مشہور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب یزید اور اس کے رفقاء کے بارے میں

ام ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین ایک مرتبہ دو دفعہ سوئے اور جاگے اور ہر مرتبہ ہنسے، اور ہنسی کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی اُمّت کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ دریا میں جہاد کر رہے ہیں اور ان کی شان میں (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا ہے کہ:

ملوکٌ[له] علی الاسرۃ او مثل الملوک علی الاسِرّۃ۔ مصداق خوابِ ثانی ہمیں یزید و ہمراہیانش بر آمدند چنانچہ بر تاریخ داناں و حدیث خواناں پوشیدہ نیست۔ غایۃ مافی الباب بسبب خرابیہائی پنہانی کہ داشت، ہمچو منافقاں کہ در بیعت الرضوان شریک بودند و بوجہ نفاق، رضوان اللہ نصیب او شاں نشد، یزید ہم از فضائلِ ایں بشارت محروم شد۔

مذہب امیر معاویہؓ دربارہ خلافت

و ایں طرف مذہب حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ دربارہ خلافتِ آں بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظامِ مملکت زائد از دیگراں باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگراں۔ بنظر بریں اورا افضل از دیگراں دانستند، و اگر افضل ندانستند پس بیش

وہ تخت نشین بادشاہ ہیں یا تخت نشین بادشاہوں کی طرح ہیں۔ دوسرے خواب کا مصداق یہی یزید اور اس کے ساتھی ظہور میں آئے۔ چنانچہ تاریخ جاننے والوں اور حدیث پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اس بارے میں، پوشیدہ خرابیوں کے باعث کہ یزید رکھتا تھا، منافقوں کی طرح جو کہ بیعتِ رضوان میں شریک تھے، اور نفاق کی وجہ سے "اللہ کی خوشنودی" ان کو نصیب نہ ہوئی، یزید بھی اس بشارت کی فضیلتوں سے محروم رہا۔

امیر معاویہؓ کا خلافت کے بارے میں نظریہ

اور اس طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ خلافت کے متعلق یہ تھا کہ جس کسی کو مملکت کے انتظام کا سلیقہ دوسروں سے زیادہ ہو، گو اس سے افضل ہوں تو دوسروں سے اس کا خلیفہ بنانا افضل ہے۔ اس بات پر نظر رکھتے ہوئے یزید کو انہوں نے دوسروں سے افضل جانا اور اگر (بالفرض) افضل نہ بھی جانا تو اس

ازیں نیست کہ ترکِ افضل کردند۔ چنانچہ در مقدماتِ سابقہ واضح شدہ کہ استخلافِ افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن این قدر را گناہ نتواں گفت، کہ بسبب وشتم امیر معاویہؓ پیش آئیم و ایں طرف امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ را از اجلۂ صحابہ نمی شماریم کہ بنسبت ترکِ افضل و اولےٰ ہم دریں چنیں امور معذرۃ نمائیم

حال یزید پس از وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔

ہاں پس از انتقالِ اوشاں یزید پای خود از شکم برآورد و دل بکام و دست بجام سپرد۔ اعلان فسق نمود و ترکِ صلوٰۃ داد۔ بحکم بعض مقدماتِ سابقہ قابلِ

سے زیادہ بات آگے نہیں بڑھتی کہ انہوں نے افضل کو چھوڑ دیا جیسا کہ گذشتہ مقدمات[1] میں واضح ہو گیا کہ افضل کا خلیفہ بنانا افضل ہے نہ کہ واجب۔ لیکن اتنی بات کے باعث ترکِ افضل کا ان پر گناہ نہیں تھوپا جا سکتا کہ امیر معاویہؓ کے ساتھ گالم گلوچ سے ہم پیش آئیں اور پھر ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ[2] کو جلیل القدر صحابہ میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ افضل اور اولیٰ کو ترک کرنے کے باعث ان جیسے معاملات میں ہم انکی طرف سے معذرت پیش کریں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کی حالت

ہاں ان کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کئے اور دل کو خواہشِ نفس اور ہاتھ کو جامِ شراب پر لے گیا۔ فسق کھلم کھلا کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی۔ بعض سابقہ تمہیدوں کی بنا پر معزول

---

[1] یعنی افضل کو قائم مقام نامزد کرنا زیادہ اچھا ہے، واجب نہیں ہے۔ مترجم

[2] یعنی چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح کے ویسے صحابہ میں سے نہ تھے کہ یزید کو اپنا جانشین بنانے پر اُن کی طرف سے ہم معذرت پیش کریں۔ مترجم

عزل گردید و ایں قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است محال نیست۔ مگر دریں وقت رای اہلِ رای و تدبیر مختلف افتاد۔ کسی را کہ اندیشۂ فتنہ و فساد غالب افتاد ناچار دست بہ بیعتش بکشاد و احترازاً عن المعصیۃ شرط اتباع معروف درمیان نہاد و آں را کہ بوعدہ یک جماعتِ کثیرہ مثلاً امیدِ غلبہ و رجاء شوکت بنظر آمد حسبۃً للہ برخاست و تہیہ کارزار ساخت۔ پس ہرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و امثالِ اوشاں کردند بجا کردند و آنچہ حضرت سید الشہداءؓ نمودند عین حق و صواب نمودند۔

بناء ایں اختلاف بر اختلاف اُمید است نہ بر اختلاف در جواز اصل فعل و عدم جواز آں مگر انجام کار بوجہ نقض عہد کوفیاں تدبیر حضرت سید الشہداء علیہ السلام

کر دینے کے قابل ہو گیا۔ اور یزید کے اس قسم کے حالات کی تبدیلی کا بیان کرتا آیا ہوں کیونکہ ممکن ہے محال نہیں۔ مگر اس وقت اہل رائے اور اہل تدبیر کی رائے مختلف ہو گئی۔ جس کسی کو فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آیا اُس نے مجبوراً بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا اور معصیت سے بچنے کے لئے نیکی کی پیروی کرنے کی شرط کو درمیان میں رکھا لیکن جس شخص یعنی حضرت امام حسینؓ کو بڑی جماعت[1] کے وعدے پر غلبہ اور شوکت کی اُمید نظر آئی وہ اللہ کے لئے کھڑا ہو گیا اور جنگ کا عزم کر لیا۔ پس جو کچھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان جیسوں نے کیا وہ بجا کیا اور جو کچھ حضرت سید الشہداء (امام حسینؓ) نے کیا وہ بالکل حق اور صواب کیا۔

اس اختلاف کی بنیاد اُمید غلبہ و عدم غلبہ کے اختلاف پر ہے، نہ کہ اصل فعل کے جائز اور ناجائز ہونے کے اختلاف پر۔ مگر انجام کار کوفیوں کی وعدہ خلافی کی وجہ سے حضرت سید الشہداء

---

[1] یعنی اہلِ کوفہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور یزید کے خلاف لڑنے کا پیغام بھیجا تھا۔ مترجم

بر نشانہ نشست و روز عاشورہ قیامت قبل از قیامت در میدانِ کربلا برخاست۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

(امام حسین) علیہ السلام کی تدبیر فیل ہو گئی، اور ۱۰ محرّم کو قیامت سے پہلے میدانِ کربلا میں قیامت برپا ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حادثہ کربلا چوں غزوۂ اُحد و حنین

و ایں قسم بر ہمیں کار نہ فقط حضرت سیّد الشہداء را علیہ السلام پیش آمد در جہاد ایں چنیں اکثر پیش می آید۔ واقعہ اُحد و حنین نشنیدہ باشی۔ پس چنانکہ شہیدانِ اُحد و حنین بذروۂ شہادۃ رسیدہ اند۔

کربلا کا حادثہ اور غزوۂ اُحد و حنین۔

اور اس قسم کی صورتِ حال نہ صرف سیّد الشہداء امام حسین علیہ السلام کو پیش آئی بلکہ جہاد میں اس طرح کی صورت اکثر پیش آتی ہے۔ اُحد اور حنین کا واقعہ تم نے کیا نہ سنا ہوگا۔ پس جس طرح کہ اُحد[1] اور حنین[2] کے شہداء شہادت کی چوٹی پر پہنچ چکے

---

[1] غزوۂ اُحد ۳ھ میں ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پچاس تیراندازوں کو ایک درے پر کھڑا کر دیا اور فرمایا تم کسی صورت میں بھی یہاں سے نہ ٹلنا۔ جنگ شروع ہوئی مسلمان کامیاب ہوئے اور کفارِ مکّہ بھاگنے لگے۔ اکثر تیراندازوں نے یہ سمجھ کر کہ اب تو فتح ہو گئی، وہاں سے ہٹ گئے۔ خالد بن ولید کفّارِ مکّہ کے کمانڈر تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے درے کو خالی دیکھا تو ٹوٹ کر حملہ کیا۔ ستّر مسلمان صحابہؓ شہید ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے۔ دندانِ مبارک شہید ہو گئے شہرت کر دی گئی کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے حواس بجا نہ رہے۔ پھر حضورؐ نے پکارا میں یہاں ہوں۔ صحابہؓ کو ہوش آیا۔ پھر منظم ہو کر لڑے اور فتح ہوئی۔ کفّار بھاگ گئے۔ مترجم

[2] غزوۂ حنین ۸ھ میں مکّہ فتح ہونے کے بعد ہوا۔ ہوازن۔ ثقیف کے دو مشرک قبیلوں نے مضر اور بنی ہلال کو ساتھ ملا کر چار ہزار بہادروں کے ساتھ وادی حنین میں مکّے کے مشرق میں پڑاؤ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

وازاں برہمی کار خللی در فضائلِ اوشاں راہ نیافت۔ ہمچنیں شہیدانِ کربلا را باید شناخت۔ وایں وقتی است کہ بمجرّد استخلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا بیعت مردم یا تسلّطِ او خلافتش را عام وشامل شمارند واگر بایں قدر کہ بوقوع آمد، فقط بانعقاد مطلق خلافتِ او قائل شویم وعموم وشمول خلافتش را تسلیم نہ کنیم و گوئیم کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ واتباعِ اوشاں از ربقۂ اطاعتِ او ہنوز خارج بودند، حاجتِ عزل ہیچ نیست واوشاں را در خروج

ہیں اور اس سے ان شہداء کے فضائل میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ اسی طرح کربلا کے شہیدوں کو پہچاننا چاہیئے اور یہ اس وقت ہے جب کہ محض امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو خلیفہ بنانے یا لوگوں کی بیعت یا یزید کے تسلّط کے وقت اس کی خلافت کو عام اور شامل سمجھیں، اور اگر اسی قدر سے جو کہ ظہور میں آیا فقط اس کی مطلق خلافت کے منعقد ہو جانے کے ہم قائل ہو جائیں اور اس کی خلافت کے عام ہونے اور سب لوگوں پر شامل ہونے کو تسلیم نہ کریں اور کہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اس کی اطاعت کے دائرے سے ابھی تک خارج تھے تو پھر یزید کو معزول کرنے کا سوال

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) مکّے سے آگے بڑھے۔ جن میں دس ہزار مدینے کے مجاہد اور دو ہزار مکّے کے نومسلم اور اسّی معاہد مشرک تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں اپنی کثرت پر ناز پیدا ہو گیا۔ دشمن گھات میں چھپے بیٹھے تھے۔ انہوں نے تیراندازی شروع کر دی۔ اسّی معاہد مشرکوں اور نومسلموں میں بھگدڑ مچ گئی۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے انصار اور مہاجرین کو پکارا، اور جمع ہو کر حملہ کیا۔ دشمنوں کے ستّر آدمی مارے گئے اور مسلمان صرف چار شہید ہوئے۔ غرض ابتری کے بعد فتح ہوئی۔ مترجم

برد محذوری نی و این فرقِ انعقادِ[1] مطلق و عمومِ انعقاد ہر چند امروز کم فہماں نفہمند۔ مگر بہ تتبع معاملات سابقین واضح است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل و عقد فقط موجبِ اطاعت در حق او و در حق خدمِ او می شمردند۔ ورنہ حاجتِ بیعت حضرت علی و اہتمام بداں بر دست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما چہ بود و ہمچنیں یزید بعد بیعت اہلِ شام و دیگر اہل حل و عقد خواستگار بیعت از حضرت حسنینؓ و عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ و دیگر رضوان اللہ علیہم نشدی۔

مدارِ کار بر نیت چوں ایں قدر دانستہ شد دیگر معلوم باد کہ مدارِ کار بر نیت است بشہادۃ:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

ہی پیدا نہیں ہوتا، اور امام حسینؓ کو یزید کے خلاف اُٹھنے پر کوئی دغدغہ نہیں اور یہ انعقادِ مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو اس زمانے میں کم فہم لوگ ہر چند نہ سمجھیں گے۔ لیکن اگلے لوگوں کے معاملات کی تحقیق سے واضح ہے کہ اہل حل و عقد میں سے ہر شخص کی بیعت کو اس کے اور اس کے نوکر چاکر کے حق میں بیعت خیال کرتے تھے ورنہ حضرت علی کی بیعت کی ضرورت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر اس بیعت کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی اور اسی طرح یزید اہلِ شام کی بیعت اور دوسرے اہل حل و عقد کی بیعت کے بعد حضرت حسنینؓ اور عبد الرحمٰنؓ بن ابی بکر اور دیگر صحابہؓ کی بیعت کا طالب نہ ہوتا۔

نیت پر دار و مدار جب اتنی بات معلوم ہو گئی تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کسی کام کا ہونا نیت پر موقوف ہے جس کی شہادت میں حدیث ہے کہ "اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے"۔

---

[1] انعقادِ مطلق اور عموم انعقاد میں یہ فرق ہے کہ انعقادِ مطلق لیاقتِ اولیٰ یعنی قرشیت کی بنا پر بھی ہو جاتا ہے اور عموم انعقاد خلیفہ میں لیاقتِ ثانیہ یعنی قرشیت اور علم اور تقویٰ کی بنا پر ہوتا ہے۔ مترجم

وحُسنِ نیت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قابلِ آں نیست کہ درآں تردد کردہ آید۔ اندریں صورت در شہادت حضرت ہمام علیہ السلام چہ تردد۔ نہ یزید در حقِ اوشاں خلیفہ بود، نہ خروج برو ممنوع۔ و اگر خلیفہ بود تاہم خروج ممنوع نہ بود و اگر خروج ممنوع بود، عزل ممنوع نہ بود۔ بالجملہ وجوہ ممانعت مفقود و موجباتِ جہاد موجود۔ در حسنِ نیت کلام نیست۔ باز اگر اوشاں شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود۔

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا "حُسنِ نیّت" اس قابل نہیں ہے کہ اس میں شبہ کیا جائے۔ اس صورت میں حضرت ہمام علیہ السلام کی شہادت میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔ نہ تو یزید[1] ان کے حق میں خلیفہ تھا، نہ اس کے خلاف اٹھنا ناجائز تھا، اور اگر خلیفہ بھی ہوتا تو پھر بھی خروج[2] ناجائز نہ تھا۔ اور اگر خروج کرنا ممنوع بھی ہوتا تو معزول کرنا ممنوع نہ تھا۔ الحاصل ممانعت کی وجوہات تو موجود نہیں اور موجباتِ جہاد موجود ہیں اور (امام حسینؓ) کی نیّت کی اچھائی میں شبہ نہیں ہے۔ پھر اگر وہی شہید نہ قرار دیئے جائیں تو پھر اور کون شہید کہلائے گا۔

دیگر وجہِ شہادت

و ازیں ہم درگذشتیم۔ اگر موجباتِ جہاد نبودند اوشاں نیز از تصدی جہاد باز آمدہ مے خواستند، کہ براہ خود روند۔ لشکریانِ یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردند ظلماً شہید ساختند۔

شہادتِ امام حسینؓ کی دوسری وجہ

چلو اس دلیل کو بھی جانے دو۔ اگر موجباتِ جہاد موجود نہ تھے تو امام حسینؓ بھی جہاد کے معاملے سے دستکش ہو کر چاہتے تھے کہ وہ اپنی راہ لیں۔ لیکن یزید پلید کے سپاہیوں نے انہیں نہیں چھوڑا اور گھیر کر ظلم کے طور پر شہید کر دیا (اور وہ حدیث کے مطابق شہید ہوئے)

---

[1] یعنی یزید حضرت امام حسینؓ کی نظر میں خلیفہ نہ تھا۔ مترجم۔ [2] چونکہ حضرت امام حسینؓ، یزید کو خلیفہ ہی نہیں مانتے تھے لہٰذا ان کے خلاف جہاد کرنا ممنوع نہ تھا۔ مترجم۔

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ عِرْضِہٖ وَ
مَالِہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ۔

اجماعِ بیعتِ یزید و جوابِ آں

باقی ماند کہ اوشاں مخالفتِ اجماع کردہ اند۔

جوابش اینست کہ اوّل اجماع مسلّم نیست اگر باشد عدمِ مخالفت باشد۔ بایں ہمہ اجماع بر عدمِ جواز خروج بر فساق است۔ و معنی آں ہر چہ ہست عرض کردہ شد۔ از اجماع بر عدمِ جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید کہ خصوصیاتِ زائدہ مراتب ایں کلی مشکک نیز موجبِ خروج نتواں شد۔ بایں ہمہ اجماع غیر مسلّم وقتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما و عبد اللہ بن زبیرؓ و اہلِ مدینہ کاری کردہ باشند، مخالفِ آں را مجمع علیہ چگونہ تواں گفت۔ اگر بالفرض اجماع

"جو شخص اپنی عزّت اور مال کی حفاظت میں مارا جائے تو وہ شہید ہے"۔

یزید کی بیعت پہ اجماع اور اس کا جواب

باقی رہی یہ بات کہ امام حسینؓ نے یزید کی مخالفت کرکے اجماع کی مخالفت کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ہمیں اجماع ہی تسلیم نہیں۔ اگر کچھ ہے، تو وہ (صحابہؓ کی) عدمِ مخالفت ہے۔ اس کے باوجود "فاسق خلفاء کے خلاف اُٹھنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے"۔ اس کے معنی جو کچھ ہیں عرض کر دیئے گئے ہیں۔ نفسِ فسق کے خلاف خروج کے ناجائز ہونے پر اجماع سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کلی مشکک کے درجات کی خصوصیاتِ زائدہ بھی خروج کا موجب نہیں ہو سکتیں۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی اجماع مسلّم نہیں جس وقت حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن زبیرؓ اور اہلِ مدینہ نے کوئی کام کیا ہو اس کام کے مخالف کو مجمع علیہ کس طرح کہہ سکتے ہیں اور اگر بالفرض ہم اجماع کو تسلیم کرلیں

اجماع را تسلیم کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیده بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید۔ مخالفت ایں اجماع حضرت امام رضی اللہ عنہ را چہ مضر غایۃ ما فی الباب امام ہمام علیہ السلام در زمانِ خود دریک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند ولا محذور فیہ چنانچہ عرض کرده شد۔

عبارت امام نوویؒ

اکنوں وقت آں است کہ عبارت نوویؒ دریں باره نقل کرده شود تا تفصیل اجمال و تصدیق ایں مقال بدست آید (امام نووی گوید)

اجمع اهل السنة ان لا ينعزل السلطان بالفسق و اما الوجه المذكور فى كتب الفقه لبعض اصحابنا انه

تو وه اجماع اگر منعقد ہوا بھی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد منعقد ہوا۔ اس اجماع کی مخالفت، حضرت امام حسینؓ کو مضر نہیں پڑتی۔ زیاده سے زیاده اس بارے میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے زمانے میں ایک اختلافی اجتہادی مسئلے میں خطا کھائی[1] اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔

امام نوویؒ کا اجماع بیعت پر نظریہ

اب وه مقام آپہنچا ہے کہ امام نووی کی عبارت اس بارے میں نقل کر دی جائے تا کہ اس اجمال کی تفصیل اور اس قول کی تصدیق مل جائے۔ (امام نووی لکھتے ہیں)

اہلِ سنت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ سلطان فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہو جاتا، اور اس کی وجہ بعض احناف کی کتب فقہ میں ذکر کی گئی

---

[1] حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے یہ فرما کر کہ زیاده سے زیاده امام حسینؓ کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یزید کے خلاف اُٹھ کر اجتہادی غلطی کی، یہ بالفرض کہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اس کے خلاف جو کچھ کیا، وه درست کیا، اور آخر مقامِ شہادت پایا۔ مترجم

ينعزل وحكى عن المعتزلة فغلط من قائله مخالف الاجماع - قال العلماء و سبب عدم انعزاله و تحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن و اراقة الدماء و فساد ذات البين فتكون المفسدة فى عزله اكثر منها فى بقائه -

قول العياض

قال القاضى عياضؒ اجمع العلماء على ان الامامة لا تنعقد لكافر و على انه لو طرء عليه الكفر انعزل-قال

ہے۔ وہ فاسق سلطان خود معزول[1] ہو جاتا ہے اور یہی بات معتزلہ کی طرف سے بیان کی گئی ہے تو یہ اس[2] قائل کی غلطی ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی حرمت کا سبب وہ فتنے، خونریزیاں اور باہمی فسادات ہیں جو اس پر مترتب ہوتے ہیں اس لئے اس کے معزول کرنے میں اس کو باقی رکھنے کی بنسبت فساد زیادہ ہے۔

قاضی عیاض کا قول

قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر امام[3] نہیں ہو سکتا، اور اس بات پر کہ اگر اس پر کفر طاری ہو گیا، تو وہ معزول ہو جائے گا (پھر قاضی عیاض نے)

---

[1] یعنی معزول نہ کرنے کے باوجود بھی وہ معزول سمجھا جائے۔ کیونکہ اس میں خلافت کی اہلیت کا فقدان ہے۔ مترجم۔ [2] یعنی خلیفہ جو پہلے ہدایت پر تھا اور عادل و متقی تھا، بعد ازاں اس پر فسق طاری ہو گیا تو وہ خلافت کے لئے نااہل نہیں ہوگا۔ لہٰذا جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ اجماع کے خلاف کہتا ہے جیسا کہ بعض اصحابِ حنفیہ نے کہا ہے۔ مترجم۔ [3] یعنی اگر ابتداءً کوئی شخص کافر ہو تو اس کی خلافت منعقد نہیں ہوتی، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر بعد میں کفر طاری ہو گیا تو وہ خود معزول ہو جائے گا۔ مترجم

وكذا لو ترك اقامة الصلوٰة والدعاء عليها۔ قال وكذلك عند جمهورهم البدعة قال وقال بعض البصريين تنعقد له وتستدام له لانه طارئ قال القاضي فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع او بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب امام عادل ان امكنهم ذلك - فان لم يقع ذٰلك الا لطائفة وجبت عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب في المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه فان

کہا یہی حکم اس وقت ہے جبکہ خلیفہ نماز کی پابندی اور نماز کی دعوت چھوڑ دے۔ پھر کہا اور یہی حکم جمہور علماء کے نزدیک ارتکاب بدعت کا بھی ہے اور بقول قاضی عیاض بعض بصرے والوں نے کہا۔ اس کے لئے بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ بدعت[1] بعد میں طاری ہوئی ہے قاضی عیاض نے کہا کہ اگر خلیفہ پر کفر طاری ہو جائے اور شریعت میں تبدیلی یا بدعت کا ارتکاب کرے تو امامت کے حکم سے خارج ہو جائے گا اور اسکی اطاعت ساقط ہو جائیگی اور مسلمانوں پر اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا ضروری اور اسکی خلافت کو گلے سے نکال پھینکنا اور عادل امام کو قائم کرنا، اگر یہ ان کیلئے ممکن ہو سکے واجب ہو جائے گا۔ پس اگر یہ واقع نہ ہو مگر ایک گروہ کے لئے تو ان پر کافر کی ولایت کو ہٹانے کے لئے کھڑا ہو جانا تو واجب ہے اور بدعتی کے بارے میں واجب نہیں ہے

---

[1] یعنی اگر وہ ابتداءً بدعتی ہے تو اس کی امامت منعقد نہیں ہوگی۔ اور اگر بعد میں وہ بدعتی ہوگیا تو خود بخود معزول ہو جائے گا۔ لیکن بعض علمائے بصرہ کے خیال مطابق اس کی امامت منعقد بھی ہو جائے گی اور آئندہ بھی برقرار رہے گی۔ مترجم

تحققوا العجز لم يجب القيام و يهاجر المسلم من ارضه الى غيرها ويفر بدينه قال ولا ينعقد للفاسق ابتداءً فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه الا ان يترتب عليه فتنة وحرب۔

مگر جب ان کو اس پر قدرت کا گمان[1] غالب ہو، اگر انہیں عجز کا یقین ہو تو اس کے معزول کرنے کیلئے کمربستہ ہونا واجب نہیں اور مسلمانوں کو اسکی حکومت سے ہجرت کر جانی چاہیئے اور اپنے دین کو بچا لینا چاہیئے۔ قاضی نے کہا کہ فاسق کی خلافت ابتداء میں منعقد نہیں ہوتی۔ ہاں بعد میں اگر خلیفہ پر فسق طاری ہو جائے تو بعض نے کہا۔ اس کو علیحدہ کر دینا واجب ہے مگر اس صورت میں نہیں کہ فتنہ اور جنگ کا اندیشہ ہو۔

قول جماہیر سُنّت از فقہاء و محدثین و متکلّمین

جماہیر سُنّت فقہا، محدثین اور متکلّمین کا قول

قال جماهير اهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم و تعطيل الحقوق و لا يخلع و لا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه و تخويفه للاحاديث الواردة فى ذٰلك

جمہور اہل سنّت فقہا، محدثین اور متکلمین نے کہا کہ فسق، ظلم، حقوق کے معطّل کرنے کے باعث بھی معزول نہ ہوگا اور نہ ہی ہٹایا جائے اور اس کی وجہ سے اس کے مقابلے کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ بلکہ اس کو نصیحت کرنا واجب ہے اور تنبیہ کرنا ضروری ہے ان احادیث کی روشنی میں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

---

[1] کافر کو تو ہٹانا ضروری ہے خواہ کچھ ہی ہو لیکن مبتدع کو ہٹانے کی قدرت کا ظن غالب ہو۔ مترجم

قال القاضی وقد ادعی ابوبکر بن مجاهد فی هذا الاجماع وقد رد علیهم بقیام الحسین وابنِ الزبیر واهل المدینة علی بنی امیة و بقیام جماعة عظیمة من التابعین وصدر الاول علی الحجاج مع ابن الاشعث و تاول هذا القائل قولهٗ "ان لا ننازع الامر اهلهٗ" فی ائمة العدل و حجة الجمهور ان قیامهم علی الحجاج لیس بمجرد الفسق بل لما غیر الشرع و ظاهر من الکفر۔ قال القاضی و قیل ان هذا الخلاف کان اولاً ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیهم والله اعلم انتهی بلفظه۔

قاضی عیاض نے کہا کہ ابوبکر بن مجاہد نے اس بارے میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور امام حسینؓ اور ابنِ زبیرؓ اور اہلِ مدینہ کے بنی امیہ کے خلاف کھڑے ہونے کا ان پر رد کیا ہے، اور تابعین کی ایک بڑی جماعت، اور صدرِ اوّل کے لوگوں کے حجاج کے مقابلے میں ابن اشعث کے ساتھ کھڑے ہونے کی بھی تردید کی ہے۔ اور اس کہنے والے نے آپؐ کے ارشاد کی بھی تاویل کی ہے کہ "ہم اہل امر سے کسی امر میں نزاع نہیں کریں گے" (یعنی) عادل اماموں کے بارے میں نزاع نہیں کریں گے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حجاج کے خلاف کھڑا ہونا محض اس کے فسق کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اس نے شرع کو بدل دیا تھا اور کفر کا مظاہرہ کیا تھا۔ قاضی نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ یہ اختلاف اوّل اوّل میں تھا۔ پھر ان کے خلاف خروج کی ممانعت پر اجماع حاصل ہو گیا واللہ اعلم۔ ان کا کلام بلفظہٖ ختم ہوا۔

پس از مطالعہ ایں عبارت

اس عبارت کے مطالعہ کرنے

تصدیق اکثر مقدمات مذکورہ حاصل مے شود۔ بالجملہ بر اصول اہل سنّت حال یزید بنسبت سابق متبدل شد۔ نزدِ بعض کافر شد۔ و نزد بعض کفرِ او متحقق نگشت۔ اسلام سابق مخلوط بفسق لاحق شد۔ اگر حضرت امام کافرش پنداشتند در خروج بر او چہ خطا کردند۔ امام احمد را ہمیں رای پسند خاطر افتاد مگر چنانکہ ممکن است کہ کفر کسی نزدیکے متحقق شود و نزدِ دیگراں نشود ۔ ہمچنیں خروج برو درحق این و آں مختلف خواہد بود و اتفاق در تکفیر و تفسیق و تعدیل و تجریح کسی از ضروریاتِ دینی یا از بدیہیاتِ عقلی نیست کہ حاجتِ معذرت افتد۔ و در صورتِ فسق آنچہ پیش کردہ ام

کے بعد مذکورہ اکثر مقدمات کی تصدیق حاصل ہو جاتی ہے۔ بالجملہ اہل سنّت کے اصول پر، یزید کا حال پہلے کی بنسبت بدل گیا تھا بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض کے نزدیک اس کا کفر تحقیق میں نہیں آیا۔ سابق اسلام بعد میں آنے والے فسق کے ساتھ مل گیا اگر حضرت امام نے اُسے کافر جانا تو اُس کے خلاف اُٹھنے میں کیا خطا کی۔ امام احمدؒ کو یہی رائے پسند آئی ہے۔ مگر جیسا کہ ممکن ہے کہ کسی شخص کا کفر ایک عالم کے نزدیک تو ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کے نزدیک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کے خلاف اُٹھنا، اِس کے اور اُس کے حق میں مختلف ہو جائے گا، اور کسی کی تکفیر و تفسیق اور تعدیل و تجریح میں اتفاق ہونا دینی ضروریات یا عقلی بدیہیات میں سے نہیں ہے کہ عذر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور فسق کی صورت میں جو کچھ کہ میں نے پیش کیا

یاد خواہد بود ۔ تاہم ہیچ صعوبتی بر اصول اہل سُنّت نیست ۔ چہ یزید اندریں صورت یا فاسق معلن بود، تارک صلوٰۃ وغیرہ یا مبتدع بود چہ از رؤسای نواصب است باین ہمہ عموم خلافتش غیر مسلّم ۔

نظر بریں وجوہ بیاد ملفوظاتِ سابقہ در خروج برو ہیچ قباحتی نے ۔ باین ہمہ خروج بر ہمچنیں کساں تا حال نزد ہمہ جائز، و اگر نزدِ ہمہ جائز نیست نزدِ بعض جائز ۔ چنانچہ از مشاہدۂ عبارتِ نودی واضح است و در مسائل مختلفہ خلاف یکی مر دیگراں را موجبِ تفسیقِ اوشاں

ہے تمہیں یاد ہوگا ۔ تاہم اہل سُنّت کے اصول پر کوئی دشواری باقی نہیں رہی ہے کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھلم کھلا فاسق تھا نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا مرتکب تھا کیونکہ وہ نواصب[1] کے سرداروں میں سے تھا ۔ ان سب پہلوؤں کے پیش نظر اس کی عام خلافت کا ہونا مسلّم نہیں ۔

ان دلائل کے پیش نظر سابقہ مقدمات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یزید کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور ان سب باتوں کے باوجود ان جیسے لوگوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونا اب تک سب کے نزدیک جائز ہے ۔ اور اگر (اختلاف کی بنا پر) سب کے نزدیک جائز نہیں تو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ نووی کی عبارت کے مطالعہ سے واضح ہے اور اختلافی

---

[1] نواصب وہ لوگ ہیں جو حرام چیزوں کو اپنے نفسانی دلائل کے باعث حلال سمجھتے تھے ۔ جیسا کہ یزید بھی شراب پیتا تھا اور اس کو حلال سمجھتا ہوگا ۔ آج کل کے شرابی بھی کہتے سُنے گئے ہیں کہ شراب کی حرمت کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ رِجْسٌ مِن عملِ الشیطٰن سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ۔ مترجم

آں را، و بطلانِ اعمالِ او عنداللہ نمے تواں شد۔ چنانچہ دانستہ شد۔ و اگر فرض کنیم بر عدمِ جوازِ خروج بر چنیں کساں اجماع است، اجماع حادث است، اجماعِ قدیم نیست تا بر اصولِ اہل سنّت در شہادتِ امام ہمام تردّدی راہ یابد۔ زیادہ از زیادہ اگر کسی گوید ایں بگوید کہ حضرت امام دریں مسئلہ خطا کردند لیکن چہ حرج المجتہد یخطی و یصیب بنای ثواب بر نیّت خطای اجتہادی دریں بارہ مزاحمِ حال نمے شود۔ چنانچہ در اصولِ اہل سُنّت مصرح است و ہم واضح است۔ چہ اگر بظنّ غروب روزہ افطار کرد تا نماز مغرب بخواند

مسائل میں ایک شخص[1] کا دوسرے سے اختلاف کرنا اس کا سبب نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسرے لوگ اس اختلاف کرنے والے کو فاسق قرار دیں اور اس کے اعمال کو عنداللہ باطل ٹھہرائیں جیسا کہ جانا گیا۔ اور اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ اس جیسے لوگوں کے خلاف اُٹھنے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے تو وہ اجماع بعد کا ہے قدیمی اجماع نہیں کہ اہل سُنّت کے اصول پر امام حسین کی شہادت میں کوئی شک کی گنجائش ہو سکے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی کہہ سکتا ہے تو یہ کہہ سکتا ہے، کہ حضرت امامؓ نے اس مسئلہ میں غلطی کی۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی اس بارے میں خطائے اجتہادی کی نیت پر بھی ثواب کا ملنا مزاحمِ حال نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل سُنّت کے اصول میں

---

[1] اگر اکثر لوگوں کے اتفاق کے خلاف کسی مسئلے میں کسی ایک صاحب الرائے نے اختلاف کیا تو اکثریت سے اختلاف کرنے والے کو نہ فاسق کہا جا سکتا ہے اور نہ اللہ کے یہاں اس کا اجتہادی عمل بے کار جائے گا جیسا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تنہا ہوتے ہوئے یزیدیوں کی مخالفت کی۔ مترجم۔

و ہنوز آفتاب غروب نشدہ بود، این کس را تا آخر عمر بر خطای خود اطلاع نشد ہرگز عاقلی تجویز نمے تواں کرد کہ از ثواب محروم ماند ورنہ تکلیف ما لا یطاق لازم خواہد آمد و ہو محال لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

تصریح موجود ہے اور یہ امر واضح بھی ہے۔ اس لئے کہ سورج غروب ہونے کے گمان میں اگر کسی نے روزہ افطار کر لیا یہاں تک کہ نماز مغرب بھی پڑھ لی، اور ابھی تک سورج غروب نہیں ہوا تھا اور اس شخص کو عمر کے آخر حصے تک اپنی خطا پر اطلاع نہیں ہوئی تو کوئی عقلمند یہ فتویٰ نہیں لگا سکتا کہ وہ ثواب سے محروم رہا۔ ورنہ ایسی تکلیف جس کی طاقت نہ ہو لازم آئے گی، اور وہ محال ہے کیونکہ اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

آری برطبق اصولِ شیعہ شہادت حضرت امام الشہداءؓ درکنار دین و ایمان شان ہم از دست مے رود۔ نعوذ باللہ منہا۔ اگر باور نباشد بنگر کہ در کافی کلینی روایات درین باب کہ ہرکرا تقیہ نیست دین و ایمان ندارد وارد شدہ اند، مع سند نقل مے کنم۔

اول[2]: عن ابن عمر عن

ہاں شیعہ صاحبان کے اصول کے مطابق حضرت امام الشہداءؓ کی شہادت ان کے دین و ایمان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اگر یقین نہ ہو تو دیکھ لو کہ کافی کلینی[1] میں اس بارے میں روایات موجود ہیں کہ جو شخص تقیہ نہ رکھے اس کا دین و ایمان نہیں ہے۔ میں ان روایات کو مع سند کے نقل کرتا ہوں۔

پہلی روایت[2]: ابن عمر سے انہوں نے

---

[1] شیعہ حضرات کی مشہور کتاب۔ مترجم۔

هشام بن سالم عن ابن ابی بکر الاعجمی قال قال ابوعبد الله یا ابا عمر ان تسعة اعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة له والتقیة فی کل شیٔ حتی فی المسح علی الخفین۔

روایت[2] دیگر: عن محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عمر بن خلاد قال سالت ابا الحسن علیہ السلام عن القیام للولاة فقال ابوجعفر التقیة دینی ودین اٰبائی ولا ایمان لمن لا تقیة له۔

ازیں دو روایت مثل آفتاب روشن می برآید که هرکه تقیه نکند، بی دین و ایمان است۔

اکنوں از حضرات شیعه التماس است که اگر ہمیں تقیه است حُسنِ خاتمه حضرت امام الشهدار معلوم،

ہشام بن سالم سے، انہوں نے ابوبکر اعجمی سے روایت کی۔ ابوبکر نے کہا، کہ ابوعبداللہ نے کہا کہ اے اباعمر! نوے فی صدی دین تقیہ میں ہے اور جس کا تقیہ نہیں، اس کا دین نہیں اور تقیہ ہر چیز میں ہے حتیٰ کہ چمڑے کی جرابوں پر مسح میں بھی ہے

دوسری[1] روایت: محمد بن یحیٰی سے، انہوں نے احمد بن محمد بن عمر بن خلاد سے روایت کی کہا۔ میں نے حضرت علی علیہ السلام سے حکام کے لئے اکراماً کھڑے ہونے کے بارے میں پوچھا تو ابوجعفر نے فرمایا۔ "تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جس کا تقیہ پر اعتقاد نہیں، اُس کا ایمان نہیں۔

ان دو روایتوں سے آفتاب کی مانند روشن ہو جاتا ہے کہ جو شخص تقیہ نہ کرے بے دین و ایمان ہے۔

اب حضرات شیعہ سے گذارش ہے کہ اگر تقیہ یہی ہے تو پھر تو امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایمان پر خاتمہ معلوم ہے

چه جائیکه شهادت۔ وظاهر است که دریں دو روایت ہیچ گونه گنجائشِ تاویل یا تخصیص نیست۔ اگر تاویل فرمایند یا تخصیص بعددی وشخصی نمایند، مسموع نخواهد بود۔ اکنوں ازیں چاره نیست که مذهب اهل سنّت اختیار کنند۔ واگر از اتباع حق عار و انکار است لاجرم از ائمه دوازده گانه کُل یازده باقی خواهند ماند۔ اندریں صورت انکار از حق و اصرار بر مذهب باطل لاجرم خواهد آمد۔ چه حضرت امام را دریں ضیق و ناچاری که مقابلِ سی ہزار فوج جرار چند معدود بودند وآنہم یکی بعد دیگرے شربت شهادت چشیدند تقیه لازم بود۔ اگر اوّل امر امید بود در آخر وقت که ہیچ کس نماند تقیه لازم افتاده بود۔

من آنچه شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواه از سخنم پند گیر خواه ملال

وجواب دیگر انشاءالله تعالیٰ

شہادت تو کہاں۔ اور ظاہر ہے کہ ان روایات میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر وہ تاویل کریں یا کسی شخص اور عدد کی تخصیص کریں تو قابلِ سماعت نہ ہوگی۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اہل سُنّت کا مذہب اختیار کریں۔ اور اگر حق کی پیروی سے انہیں شرم آتی ہے یا انکار ہے تو پھر تو یقیناً بارہ اماموں میں سے کُل گیارہ رہ جائیں گے۔ اور اس صورت میں حق سے انکار اور جھوٹے مذہب پر ضد لازم آئے گی۔ کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس تنگی اور مجبوری میں کہ تیس ہزار فوج کثیر کے مقابلے میں چند گنتی کے آدمی تھے، اور وہ بھی سب شہید ہو چکے تھے، تقیہ کرنا ضروری تھا۔ اگر شروع میں غلبہ کی اُمید تھی تو آخری وقت میں جب کوئی نہ رہا تھا، تقیہ کرنا ضروری تھا۔

جہاں تک تبلیغ کی شرط ہے میں تم سے کہتا ہوں
تم خواہ میری بات سے نصیحت اختیار کرو یا رنج

اور دوسرا جواب انشاءاللہ تعالیٰ

بشرطِ فرصت عنقریب بہ نظرِ سامی خواہد گذشت لَا تَقْنَطُوْا

این دو روایت کہ نقل کردہ شد اگر احتمالِ دروغ باشد بطابق نمایند۔ اگر نزد شما کافی کلینی نباشد نسخۂ مطبوعۂ طہران نزد ما موجود است، ملاحظہ نمایند۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ و اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔ فقط

بشرطِ فرصت عنقریب نظرِ گرامی سے گذرے گا، نا اُمید نہ ہوں۔

یہ ۲ دو روایتیں جو کہ نقل کی گئیں ہیں، اگر ان کے جھوٹ ہونے کا شک ہو تو مطابق کرلیں۔ اگر تمہارے پاس کافی کلینی نہ ہو تو طہران کا چھپا ہوا نسخہ ہمارے پاس موجود ہے، ملاحظہ کریں۔

اے اللہ ہمیں حق دکھادے اور اس کے پیچھے چلنے کی توفیق عطا فرما اور جھوٹ کو جھوٹ کرکے دکھادے اور اس سے بچنا نصیب فرما اور ہماری آخری دعا یہ ہے کہ تمام تعریفیں رب العالمین کیلئے ہیں۔ فقط۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعٰلمین۔

مترجم محمد انوار الحسن شیرکوٹی

مسئلہ خلافت و امامت پر محققانہ اور لاجواب کتاب

مِطرقۃ الکرامہ علیٰ مِراۃ الامامہ

تصنیف لطیف شیخ المشائخ رئیس المحدثین سراج المناظرین زبدۃ الفقہاء
حضرت مولانا ابو ابراہیم خلیل احمد محدث سہارنپوری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ
(مصنف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد عربی)
مقدمہ از قلم الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم چکوال
مرکزی امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
جو کہ تقریباً ایک صدی کے بعد پہلی مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے
قیمت ۔/

چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور شہادت و موقف امام حسین رضی اللہ عنہ

کی وضاحت اور خوارج و نواصب

محمود عباسی، مولانا محمد اسحاق سندیلوی اور عظیم الدین وغیرہ حامیانِ یزید کا مسلک و موقف اور

خارجی فتنہ

از قلم فیض رقم
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
حصہ اوّل مجلد صفحات ۶۲۴ قیمت ۰۰/ حصہ دوم (زیر طبع)

ملنے کا پتہ: سُنّی دار الاشاعت جامع مسجد نواب دین کہم آباد وحدت روڈ لاہور